اِنَّ هٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ. (الآیۃ)

اذکروا محاسن موتاکم وکفوا عن مساویھم. (ترمذی،حدیث:۱۰۱۹)

تذکرۂ عیسیٰؒ

حمید پور کی ایک گمنام، باکمال اور دیدہ ور شخصیت حضرت ماسٹر عیسیٰ خان صاحب حمید پوریؒ (خلیفہ ومجاز مسیح الامت حضرت مسیح اللہ خان صاحب شیروانی جلال آبادیؒ) کے پاکیزہ حالات، سبق آموز واقعات، گراں مایہ ملفوظات اور تابندہ نقوش کا حسین مجموعہ

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

جمع وترتیب:
ارشد رشیدی فتح پوری

نام کتاب --------------- تذکرۂ عیسیٰؑ

مصنف ----------------- ارشد رشیدی فتح پوری

صفحات-----------------

اشاعت ----------------

تعداد ----------------- ۵۰۰

کمپوزنگ --------------- محمد فرقان محمد آبادی9235700289

ناشر ------------------ مکتبہ فیض مامون رشید، کرلا، ممبئی



انتساب

راقم اپنی اس حقیر کاوش کو اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کی شکر گزاری کے ساتھ اپنے جلیل القدر والدین کی طرف منسوب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے، جن کی دینی فکر اور حسن تربیت کی بدولت راقم کو علم دین سے قربت نصیب ہوئی، اسی طرح حضرات اساتذہ کرام کی طرف اسے منسوب کرنا بھی راقم کے لئے ایک عظیم سعادت ہے بالخصوص اپنے شیخ الکل، بے مثال مربی و مرشد، نمونۂ اسلاف، یادگار اکابر سیدی و سندی، عارف باللہ حضرت اقدس مولانا مقتدانا مفتی محمد مامون رشید خانصاحب قاسمی حمید پوری (قدس سرہ العزیز) کی طرف کہ جنہوں نے راقم کو دین میں انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا اور جن کی دعائیں، شفقتیں، کرم فرمائیاں ناچیز کو قدم قدم پر حاصل رہیں اور جن کی فیض صحبت، سفر وحضر کی معیت، گرانقدر توجہات، بے پایاں عنایات سے ناچیز کچھ لکھنے پڑھنے کے قابل ہوا۔ حقیقت یہ ہے یہ کاوش آپ کی آغوش صحبت کا ثمرہ ہے۔

فجزاهم الله تعالیٰ عنا و عن جميع تلامذتهم و مستفيضيهم خير ما يجازى به عباده الصالحين. ربنا تقبل منا بجاه سيد المرسلين صلى اللّٰه عليه وسلم انك انت السميع العليم و تب علينا انك انت التواب الرحيم و انت الميسر لكل عسير و انك على كل شيء قدير و بالاجابة جدير.

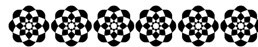
العبد ارشد رشیدی عفا اللہ تعالی عنہ

۹/ذوالقعدہ ۱۴۴۳ھ/۱۰/جون ۲۰۲۲ء

فہرست مضامین

باب دوم: صفات، کمالات اور خصوصیات

حواشی کے اہم مندرجات



تقریظ

عالم تحریر، فاضل بے نظیر، صاحب تصانیف مفیدہ، مفسر قرآن
حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب دامت فیوضہم
دارالعلوم مرکز اسلامی الٰہ آباد- جامعہ فلاح العباد الاسلامیہ الٰہ آباد

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونصلي ونسلم على رسوله الكريم. أما بعد!

کتنے ہی بندگانِ خدا ایسے گزرے ہیں اور اب بھی موجود ہوں گے جو ایسے اعلیٰ کردار، بلند اوصاف اور عمدہ اخلاق کے مالک رہے ہیں جو اپنے معاصرین اور بعد کی نسل کے لیے پاکیزہ زندگی کے اطوار اور خیر کی روش پر عمل پیرا ہونے کے لیے مہمیز کا کام کرتے ہیں، بشرطیکہ ان کی زندگی کے حالات اچھے پیرایہ میں لوگوں کے سامنے پیش کئے جائیں اور ان کی خدا ترسی اور فکر آخرت کے واقعات سے روشناس کرایا جائے۔

اور یہ ہرگز ضروری نہیں ہے کہ ایسے حضرات مشاہیر ہی کی صف میں ہوں، بلکہ بہت سے ایسے گوہر نایاب ہوئے جو گدڑی میں لعل کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ اپنی تقویٰ اور پاکیزگی والی زندگی کے اعمال میں نئی نسل کے لیے نمونہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

ایسی ہی غیر معروف شخصیات میں سے ایک ماسٹر محمد عیسیٰ صاحب مرحوم ومغفور

کی شخصیت بھی ہے جو ایک نامور مربی، شیخ و مرشد اور امام السلوک مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب شیروانی جلال آبادیؒ کے مجاز اور خلیفہ تھے مگر انھوں نے اپنی سادہ طبیعت اور مزاج کے مطابق گمنامی کی زندگی بسر کی۔

زیر نظر کتابچہ میں اس کے مؤلف نے ان ہی کے حالات زندگی اور واقعات حیات کو سلیقہ کے ساتھ مرتب کر کے حضرت مرحوم کے ساتھ اپنی عقیدت و محبت کا نذرانہ اور بعد والوں کے لیے عمل کا نمونہ پیش کیا ہے۔

خاکسار نے محترم مؤلف سلمہ کی فرمائش اور اصرار پر باوجود اپنی نااہلی کے یہ چند سطور لکھ دیئے ہیں، دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ رسالہ کو نافع بنائے اور ہمیں اپنی مرضیات پر چلنے کی مدام توفیقات سے نوازے۔ (آمین)

سید محمد غیاث الدین صاحب غفرلہ
خادم دارالعلوم مرکز اسلامی الہٰ آباد
جامعہ فلاح العباد الاسلامیہ الہٰ آباد
۱۲/شوال المکرّم ۱۴۴۳ھ/۱۴/مئی ۲۰۲۲ء (شنبہ)

دعائیہ کلمات

صدرالافاضل،فخرالاماثل

حضرت مولانا سید نجم الحسن صاحب تھانوی دامت برکاتہم

ناظم اعلیٰ مدرسہ امدادالعلوم وخانقاہ امدادیہ اشرفیہ،تھانہ بھون (شاملی)

نحمده ونصلي ونسلم على رسوله الكريم. أما بعد!

اہل اللہ اور بزرگان دین کے حالات، واقعات اور حکایات کو پڑھنے، سننے، سنانے کا سلسلہ بہت قدیم ہے،سمجھ دارلوگوں کے لیے اس میں بڑی عبرت ہوتی ہے، اکابرواسلاف کی خوبیوں میں بعدوالوں کے لیے آداب واخلاق کی رہنمائی ہوتی ہے۔

ان میں بکثرت ایسے مؤثر،مفیداور نافع نکتے مل جاتے ہیں جوقلب پرفوری طور پراثرانداز ہوکرزندگی کی کایاپلٹ دیتے ہیں۔

ماضی قریب میں ایسی ہی شخصیت حضرت ماسٹرعیسیٰ خاں حمید پوری رحمہ اللہ کی گزری ہے جوخانقاہ وصی اللہی اور خانقاہ حضرت مسیح الامت کے خاص فیض یافتہ بڑی خوبیوں کے حامل گوشہ نشیں بزرگ تھے،اس اعتبار سے ان کی شخصیت دوآتشہ ہوگئی تھی،ان کا طہارت وتقویٰ مثالی تھا،انہوں نے خانقاہ کے اہم سبق ''فنائیت'' کو گلے لگا

لیا تھا اور اس کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور پوری زندگی گمنامی میں گزار دی، مسند ارشاد پر فائز ہو کر خلق کثیر کو اپنے مواعظ حسنہ سے مدت تک مستفید فرماتے رہے۔ حق تعالیٰ ان کی خدمات کو شرف قبول بخشے۔ آمین

والسلام

(حضرت مولانا) سید نجم الحسن (صاحب) تھانوی
تھانہ بھون (شاملی)

تقریظ

محدث جلیل، محقق نبیل، صاحب تصانیف مفیدہ

حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن الکوثر المدنی

ابن حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلندشہری (مہاجر مدنی نورہ اللہ مرقدہ)

خادم القرآن الکریم بالمسجد النبوی الشریف سابقاً

وأستاذ العلوم الاسلامیہ بجامعۃ طیبۃ بالمدینۃ المنورۃ سابقاً

وخادم الحدیث الشریف بالبحرین حالیاً

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الكريم، وعلى آله وصحبه أجمعين

أما بعد! بزرگان دین کی زندگی کے حالات جمع کرنا اوران کوطبع سے آراستہ کرنا ایک عظیم عمل ہے، بزرگان دین جو کہ اولیاء اللہ ہوتے ہیں ان کی سیرت پڑھ کر دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا اضافہ ہوتا ہے اور تعلق مع اللہ میں گراں قدر زیادتی ہوتی ہے، اسی افادیت کے پیش نظر حضرت مولانا ارشد رشیدی زیدمجدہم نے ایک گم نام بزرگ جناب ماسٹر عیسیٰ صاحب حمید پوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی قلمبند کئے ہیں جو دو بزرگون کے فیض کے جامع تھے، ایک حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دوم حضرت مسیح الامت جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مولانا ارشد صاحب زید مجدہم کی یہ کاوش قبول فرمائے اوران کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اورامت کے لیے نافع بنائے۔(آمین)

وصلى اللّٰه تعالىٰ على سيدنا ونبينا ومولانا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

كتبه

مفتی عبدالرحمٰن الکوثر المدنی

خادم القرآن الکریم بالمسجد النبوی الشریف سابقاً

وأستاذ العلوم الاسلامیہ بجامعة طیبة بالمدینة المنورة سابقاً

وخادم الحدیث الشریف بالبحرین حالیاً ابن حضرت مولانا

المفتی محمد عاشق الٰہی بلندشہری مہاجر مدنی

نور الله مرقده وجعل جنة الفردوس مثواه

۱۴۴۳/۱۱/۳ھ ۲۰۲۲/۶/۲ء

پیش لفظ

راقم الحروف کو بچپن میں جب سے شیخ و مرشد نمونہ اسلاف سیدی وسندی عارف باللہ حضرت اقدس مفتی محمد مامون رشید خانصاحب (نوراللہ مرقدہ) کے یہاں حاضری کا شرف حاصل ہوا تو اسی وقت سے حضرت والاؒ کی زبان مبارک سے حضرت ماسٹر صاحبؒ کی حیات طیبہ کے درخشاں پہلو اور صفات وکمالات کے جواہر پاروں کو بار بار سننے کا اتفاق ہوا، کبھی حضرت ماسٹر صاحب کے علمی رسوخ اور فقہی ذوق کی باتیں پردہ سماعت سے ٹکراتیں، کبھی تقویٰ و بزرگی اور اوصاف وکمالات کی باتیں سننے کو ملتیں، کبھی ماسٹر صاحب کے حضرات شیخین حضرت شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری ثم الہ آبادی اور حضرت مسیح الامت مسیح اللہ خانصاحب جلال آبادی (علیہما الرحمہ) سے دیرینہ اور طویل المدت تعلقات اور حضرات شیخین کی ان سے انسیت، قربت اور محبت کی قابل قدر داستانیں سامنے آتیں، اور جوں جوں ماسٹر صاحب کے حیات طیبہ کے جواہر پارے سامنے آتے گئے ان سے عقیدت ومحبت میں اضافہ ہوتا گیا، حتی کہ ایک داعیہ پیدا ہوا کہ چوں کہ اللہ کے نیک بندوں کی زندگی آنے والے لوگوں کے لئے بہترین نمونہ ومعیار ہوتی ہے، لہذا اگر آپ کی حیات کے مختلف النوع گوشوں کو لکھ کر محفوظ کرلیا جائے تو ممکن ہے کہ کسی طالب حق کی نگاہ اس تک پہونچ جائے جس سے اسے راہ حق کی سنگ میل کا پتہ مل جائے، تاہم مجھے اپنی بے بضاعتی کے ساتھ یہ خیال دامن گیر ہوا کہ نہ جانے میں بزرگوں کے حالات قلمبند کرنے کا اہل ہوں بھی یا نہیں؟ اور کما حقہ میں اس ذمہ داری کو نبھا بھی پاوں گا یا نہیں؟ اور اس پر مستزاد مشاغل ومصروفیات کی

کثرت کی وجہ سے عدیم الفرصتی بھی مانع بنی رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پیدا شدہ داعیہ، دل کی آواز تک محدود رہ گیا اور میں اس پر عملاً لبیک نہ کہہ سکا۔

ابھی حال ہی میں مجھے الہ آباد سے حضرت اقدس مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی (زید مجدہ) کے یہاں سے فون آیا کہ اقوال سلف کی جلد دہم زیر ترتیب ہے اور حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے حالات کے ضمن میں حضرت شاہ صاحب کے مخصوصین کے ہمراہ حضرت ماسٹر صاحبؒ کے مختصر حالات بھی درج کرنا ہے، لہذا اگر آپ کے پاس ماسٹر صاحب کے حالات سے متعلق مواد ہوں تو اسے ارسال فرمائیں۔

اس فرمائش کے بعد میں نے تاخیر نامناسب سمجھی اور اپنی مصروفیات کم کر کے ماسٹر صاحب کے مختصر حالات مرتب کرنے میں لگ گیا اور چند دنوں میں مختصر حالات مرتب کر کے الہ آباد ارسال بھی کر دیا، اور وہاں سے یہ خبر بھی آئی کہ مولانا نے اس میں سے چند صفحات کا انتخاب کر کے اپنی کتاب میں شامل فرما دیا ہے۔ **وللّٰہ الحمد اولا و آخرا.**

پھر کچھ احباب کا تقاضہ ہوا کہ لگے ہاتھ ماسٹر صاحب کی حیات طیبہ سے متعلق مزید جو باتیں محفوظ ہیں سب کو سپرد قلم کر دی جائیں تا کہ قارئین و ناظرین کو یکجا ساری باتیں مل جائیں۔

بڑوں کے اس مشورہ کے ساتھ مجھے علامہ شعرانی کے اس قول نے بھی مہمیز کیا جو انہوں نے بزرگانِ دین کی تصنیفات، حالات و واقعات قلمبند کرنے اور ان پر لکھی جانے والی کتابوں کے فوائد کے تحت لکھا ہے کہ

"فنابت عنهم رسائلهم بعد موتهم فی نصح المریدین و کان تدوین معارفهم و اسرارهم من احق الحقوق علیهم.... الخ.
(الیواقیت والجواهر للشعرانی ص ۴۱)

ترجمہ: بزرگان دین کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ان کی کتابیں

(تحریرات، مواعظ وملفوظات) ان کی طرف سے نیابت کا حق ادا کرتی ہیں، اوران کے علوم ومعارف کومرتب کرنا مریدین پران کے منجملہ حقوق کے ایک بڑا حق ہے۔‘‘

بریں بنا خیال آیا کہ اگر جملہ باتیں یکجا ہوجائیں تو بہت ممکن ہے کہ وہ مجموعہ عوام وخواص کے لئے اور خصوصا ہمارے دیار کے لوگوں کے لئے اوراس سے بڑھ کر حضرت ماسٹر صاحب کے متعلقین ومتوسلین کے لئے ایک بہترین علمی سرمایہ اوربیش بہا روحانی اثاثہ ثابت ہو۔

اور یہ خیال بھی محرک ہوا کہ حضرت ماسٹر صاحب علیہ الرحمہ چوں کہ ہمارے دیار کے ایک ممتاز دینی، علمی اور روحانی شخصیت تھے، لہذا آپ کی حیات طیبہ کے جواہر پارے منصۂ شہود پر لانے اوراسے متعارف کرانے کا جو عمومی واجتماعی فریضہ آپ کے بالواسطہ یا بلا واسطہ فیض یافتگان پر متوجہ ہوتا ہے یا خصوصاً مجھ ناچیز پر میرے پیر ومرشد حضرت والا علیہ الرحمہ کے والد بزرگوار ہونے کے ناطے جو فریضہ عائد ہوتا ہے وہ ممکن ہے کہ اس حقیر سی کاوش سے ادا ہوجائے۔

لہذا اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ترتیب حالات کا حتمی ارادہ کیا، پھر موجودہ یاد داشت پر اکتفاء کرنے کے بجائے متعلقہ احباب سے رجوع کرنے کا خیال آیا تا کہ خاصہ باتیں سامنے آجائیں، بریں بنا وطن سے لے کر جلال آباد تک رابطہ کیا بہت سے نئی باتیں سننے کوملیں۔ اوراس اثناء میں صاحب سوانح کے حالات وواقعات میں سے جو باتیں قابل تحقیق معلوم ہوئیں اسے متعلقہ احباب کے سامنے برائے تحقیق پیش بھی کرتا رہا تا کہ کسی خلاف واقعہ بات کی نمائندگی نہ ہوجائے۔

شدہ شدہ کافی مواد حاصل ہوا، بہت سی نئی اوراہم باتیں سننے کوملیں اور کچھ تحقیق طلب باتوں کی تحقیق بھی کرلی۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس منتشر اور بکھرے ہوئے شذرات کو شائستگی کے ساتھ مرتب کرنے کی سعادت حاصل ہوئی جس کا مشاہدہ

آپ اگلے صفحات میں فرمائیں گے۔ **وللہ الحمد والمنة.**

بڑی ہی ناسپاسی ہوگی اگر میں اس موقع پر اپنے شیخ ومرشد نمونہ اسلاف عارف باللہ حضرت اقدس مولانا مفتی محمد مامون رشید خانصاحب قاسمی حمید پوری (علیہ الرحمہ) کا ذکر نہ کروں کیوں کہ آپ ہی وہ اول شخصیت ہیں جن کے طفیل ماسٹر صاحب علیہ الرحمہ کا اولیں تعارف راقم الحروف کے سامنے آیا اور بہت سے خاص باتیں بھی آپ ہی کے ذریعہ مجھے معلوم ہوئیں، اسی طرح ان حضرات کا ذکر بھی اس موقع پر ناگزیر سمجھتا ہوں جو ماسٹر صاحب علیہ الرحمہ کے حالات و واقعات سے متعلق معلومات فراہم کرنے اور اس کی تحقیق کے مراحل میں برابر تعاون فرماتے رہے، مثلا حضرت مفتی فیصل صاحب قاسمی حمید پوری (نبیرہ صاحب سوانح)، جناب ڈاکٹر تاج الدین خان صاحب حمید پوری (خادم ومعتمد حضرت ماسٹر صاحب)، جناب شمشاد خان صاحب (خادم ومعتمد حضرت ماسٹر صاحب)، جناب غیاث الدین خان صاحب حمید پوری (خادم ومعتمد حضرت ماسٹر صاحب) اور دیگر گرامی قدر احباب، لہذا میں ان سب حضرات کا تہ دل سے ممنون وشکر گذار ہوں۔ **فجزاهم الله تعالى فى الدارين خير الجزاء.**

آخر میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو اپنے بارگاہ صمدیت میں شرف قبولیت عطا فرمائے اور قارئین وناظرین کے لئے اسے نافع ومفید بنائے۔ آمین

خاکپائے بزرگاں
بندہ ارشد رشیدی فتح پوری عفا اللہ عنہ
مقیم حال کرلا بمبئی
۴؍شوال المکرم ۱۴۴۳ھ موافق ۷؍مئی ۲۰۲۲ء

بابِ اوّل:

(از مہد تا لحد)

جان کر منجملہ خاصان میخانہ تجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

اجمالی تعارف

حضرت ماسٹر عیسیٰ خان صاحب حمید پوری اعظمی (خلیفہ ومجاز حضرت اقدس شاہ مسیح اللہ خان صاحب شیروانی جلال آبادی علیہ الرحمہ) ایک کہنہ مشق استاذ بلند پایہ دینی استعداد وصلاحیت کے حامل، علم دوست، صوفی باصفا اور گوشہ نشین بزرگ تھے، آپ بااصول، کم گفتار، باوقار اور بڑے بارعب تھے، آپ کا طور طریقہ، رہن سہن اور چال ڈھال بڑا نپا تلا، معتدل اور شائستہ تھا، حقیقیت یہ ہے کہ آپ کے سراپا سے آثار بزرگی نمایاں تھے، رسمی عالم نہ ہونے کے باوجود حضرات شیخین حضرت شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری ثم الہ آبادی وحضرت شاہ مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی (علیہما الرحمہ) کی طویل صحبت اوران کی توجہ خاص کی برکت سے آپ اپنی بالغ نظری، علمی رسوخ اور وسعت معلومات میں کسی عالم دین سے کم نہ تھے، آپ کی ساری زندگی ذکر وفکر، عبادت وریاضت اور تقویٰ وخداترسی سے معمور رہی، آپ اتباع سنت میں اپنی مثال آپ تھے، اورردبدعات ومنکرات میں لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم کے بہترین عملی نمونہ تھے، مسندارشاد پر فائز ہوکر سالکین کی اصلاح وتربیت اورتہذیب اخلاق کے ساتھ شریعت وطریقت سے متعلق پیش آمدہ ان کے مسائل کوحل فرماتے ہوئے، آپ تاحیات خدمت دین میں مشغول رہے، الغرض حمید پور ومضافات میں آپ ایک علمی دینی اورروحانی مسلم

شخصیت کے حامل تھے، آپ ان خوش قسمت لوگوں میں سے تھے جنھیں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (قدس سرہ) کی زیارت باسعادت نصیب ہوئی تھی (۱)۔

نمود صبح

آپ کی ولادت باسعادت ۱۹۱۴ء میں جناب عبدالرحمٰن خان صاحب کے گھرانے میں ہوئی جو کہ موضع حمید پور ضلع مئو (سابق ضلع اعظم گڑھ) کے رہنے والے تھے۔

سلسلہ نسب

آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: ماسٹر عیسیٰ خان صاحب بن عبدالرحمٰن خان بن سجاول خان بن سلامت خان بن رحمت خان بن نعمت خان بن نصیر خان بن چاند خان بن عبدالعزیز خان بن جتن خان بن ملک فتح بن ملک مبارک بن ملک اودھرن بن ملک دیندار (سابق نام کنور سنگھ) (۲) بن آری سنگھ بن بحر سنگھ بن دولہ سنگھ (۳)۔

---

(۱) سیدی حضرت والا علیہ الرحمہ نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ، جن دنوں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ بغرض علاج لکھنؤ تشریف لائے تھے تو حضرت شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوری علیہ الرحمہ فتح پور سے اپنے خواص کو ہمراہ لیکر حضرت سے ملاقات کے لئے گئے تھے، ان میں والد صاحب بھی تھے۔

واضح رہے کہ حضرت تھانویؒ نے بغرض علاج دوبار لکھنؤ کا سفر کیا اور وہاں معتد بہ مدت تک آپ نے قیام بھی فرمایا۔ (دیکھئے: سیرت اشرف، ص ۶۹۲، مؤلفہ منشی عبدالرحمٰن خان) ارشد غفرلہ

(۲) کنور سنگھ کے تین بھائی اور تھے جو بظاہر اپنے مذہب پر قائم رہے، جن کا نام بالترتیب یہ ہے: سروجو سنگھ، گنج سنگھ اور گنگا سنگھ۔

(۳) دولہ سنگھ اور رائے سنگھ کے اوپر کے نام ترتیب وار دستیاب نہ ہو سکے، شجرہ فتح پور میں تو ان کے اوپر کا ذکر نہیں جب کہ دیگر تاریخی رسائل و کتابوں میں اس سے آگے کا سلسلہ باوجود تلاش بسیار کے بھی نہ مل سکا۔ (ا ر ف)

گاؤں و خاندان

حضرت ماسٹر صاحب کا نسبی تعلق راجپوتانہ (موجودہ راجستھان) کے اس گھرانے سے تھا جو اودے بنسی (۱) راجپوت (۲) کہلاتا تھا، تقریباً سولہ پشت اوپر اس

(۱) اودے بنسی کی طرف نسبت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ (سابق استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند) کی تحقیق کی بنیاد پر کی گئی ہے جو انہوں نے اپنی معروف کتاب ''تذکرہ علمائے اعظم گڑھ'' میں حضرت اقدس شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری ثم الہ آبادیؒ کا ذکر کرتے ہوئے کی ہے، اور یہ بھی واضح رہے کہ باوجود تلاش بسیار کے اودے بنسی خانوادے کی مزید تفصیلات نہ مل سکیں، البتہ اگر اودے بنسی کو سورج بنسی کی ایک شاخ قرار دیا جائے (گرچہ مجھے تاریخ کی متعدد کتابوں کی ورق گردانی کے بعد بھی اس کا سراغ نہیں ملا) تو ظاہر ہے کہ پھر اودے بنسی محتاج تعارف نہیں کیوں کہ سورج بنسی راجپوتوں کا قدیم اور سب سے اعلیٰ و معزز ترین طبقہ رہا ہے جس کی طرف نسبت ہر زمانے میں سرمایہ افتخار سمجھا جاتا رہا۔

اور حضرت قاری زکریا صاحب فتحپوریؒ (مرتب شجرہ اہل فتح پور) کی تحقیق سے اتنی بات مزید واضح ہوتی ہے کہ ہمارے اجداد کا تعلق شاہی گھرانے سے تھا جن میں بہت سے راجہ مہاراجہ پیدا ہوئے، مثلاً راجہ رانا پرتاب سنگھ، راجہ اودے سنگھ، راجہ گوہر سنگھ، راجہ سالنگا سنگھ، راجہ کھتمان سنگھ اور راجہ باپا سنگھ وغیرہ۔ تاہم کافی تلاش کے باوجود ان راجاؤں کی تفصیلات بھی ہاتھ نہ لگ سکیں۔ (ارشد رشیدی فتح پوری)

(۲) راجپوت قوم پانچویں صدی عیسوی میں بیرون ہند سے آکر ہندوستان میں آباد ہوئی تھی، بعض مورخین کا کہنا ہے کہ راجپوت گرجستان کی طرف سے ہند میں آئے تھے، اور بعض محققین ارباب فن کی رائے یہ ہے کہ راجپوتوں کا تعلق مغل و تاتاری قوم سے رہا ہے چنانچہ مولانا اکبر شاہ صاحب نجیب آبادی رح فرماتے ہیں:

''راجپوت ہندی قوم نہیں بلکہ مغول و تاتاری ہیں جو ہند میں مسلمانوں (یعنی محمد بن قاسم) کی آمد کے وقت یا اس سے کچھ ہی پہلے ہندی قوم میں شامل ہوئے تھے۔''

(آئینۂ حقیقت نما ص ۳۷۱، مولفہ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی) =

خاندان کے دو حضرات دولہ سنگھ اور رائے سنگھ راجپوتانہ سے ہجرت کر کے اعظم گڑھ اور فیض آباد وغیرہ میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔

جن کی ہجرت کا پس منظر کچھ اس طرح ہوا کہ:

غوری خاندان (جن کے اقتدار کا دورانیہ ۱۱۸۷ء تا ۱۲۰۶ء رہا) یا خاندانِ غلاماں کے سلاطین (جن کے اقتدار کا دورانیہ ۱۲۰۶ء تا ۱۲۹۰ء رہا) میں سے کسی مسلم بادشاہ (۱) نے راجپوتانہ پر حملہ کر کے اس پر خاصہ کنٹرول حاصل کیا تو وہاں کے

= لہٰذا راجپوت قوم کا تعلق تاتاریوں سے ہونے کی وجہ سے وہ انتہائی جری، بہادر، جنگجو اور لڑاکا قوم سے ہمیشہ متعارف رہی، اپنی فطری شجاعت و بسالت سے ہر زمانے میں انہوں نے اپنی ڈھاگ قائم کی، دسویں صدی عیسویں تک راجپوت پورے ہندوستان میں نہ صرف پھیل چکے تھے بلکہ بہت سی ریاستوں میں خود مختار حکومت بھی قائم کر چکے تھے، لیکن جب غزنی دور آیا تو ترک حکمراں ناصر الدین سبکتگین کے صاحبزادے محمود غزنوی علیہ الرحمہ کی ۱۰۰۱ء تقریباً ۳۸۰ھ میں ہندوستان آمد کے بعد راجپوتوں کا استحکام کمزور ہوتا گیا حتی کہ بشمول راجپوتانہ چند ایک ریاست میں ہی ان کی خود مختار حکومت باقی رہ گئی تھی، پھر جب خاندان غوری کا دور آیا تو ۱۱۹۲ء تقریباً ۵۹۲ھ میں محمد غوری نے راجپوتوں کا دہلی اور پنجاب سے خاتمہ کر دیا، پھر جب خاندانِ غلاماں کا دور آیا تو قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش اور دیگر خاندان غلاماں کے سلاطین مملکت نے سن ۱۲۹۰ء مطابق ۶۹۰ھ تک ہندوستان میں حکومت کر کے راجپوتوں سے مزید ریاستیں چھین لیں، جس میں راجپوتانہ جو کہ ان کا گڑھ تھا قابل ذکر ہے، نتیجہ یہ ہوا رفتہ رفتہ راجپوتوں کا شیرازہ بکھرتا گیا اور بالآخر ۱۶۰۰ء مطابق ۱۰۰۰ھ میں راجپوتانہ وغیرہ کو مغلیہ سلطنت میں شامل کر دیا گیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: تاریخ ہند مولفہ محمد الیاس ندوی بھٹکلی ص ۵۲ تا ۶۴، آئینۂ حقیقت نما مولفہ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی ص ۱۷۰ تا ۱۷۸، مختصر تاریخ ہند مولفہ مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی ص ۲۵ تا ۲۶، جامع تاریخ ہند مولفہ محمد حبیب و خلیق احمد نظامی ۲۰۰ تا ۲۰۷، راجپوت گوتیں مولفہ چودھری محمد افضل خان) ارشد رشیدی فتح پوری

(۱) مسلم بادشاہ: خاندان غلاماں کے بارے میں تاریخ بتاتی ہے ہے کہ سن ۱۲۰۶ء مطابق ۶۰۶ھ میں ان کے برسر اقتدار آتے ہی بہت جلد راجپوتانہ پر ان کا کافی کنٹرول ہو گیا، اور قطب الدین ایبک نے راجپوتانہ کا معروف خطہ اجمیر اور اس کے گرد و نواح میں تین سے چار بار لشکر کشی کی =

بہت سے لوگ تو ان کے تابع اور باج گزار ہوگئے لیکن راجپوت خانوادوں میں جو ارباب اقتدار تھے انہوں نے وہاں سے ہجرت کی راہ اختیار کی، اورانہی ہجرت کرنے والوں میں دولہ سنگھ اور رائے سنگھ بھی تھے جنہوں نے اپنا دارالہجرت اعظم گڑھ کو بنایا۔ پھران کی تیسری پشت میں کنورسنگھ (اسلامی نام ملک دیندار) پیدا ہوئے۔ نیز یہ وہ خوش قسمت اور انقلابی شخصیت ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل وکرم سے کفر و ضلال کی گھٹاٹوپ تاریکی سے نکل کر اپنے خاندان میں سب سے پہلے ایمان کی روشنی سے آشنا ہوئے، ہمارے اور دیار کے متعدد گاؤں والوں کو جو ایمان کی دولت نصیب ہوئی وہ انہیں کی مرہون منت ہے۔ **فجزاه الله تعالى عنا وعن جميع المسلمين خير الجزاء.**

ملک دیندار کے قبول اسلام کا پس منظر حضرت مولانا اعجاز صاحب اعظمیؒ نے یوں قلمبند کیا ہے کہ:

"چند پشتوں کے بعد اسی خانوادہ کا ایک خوش قسمت فرزند کنورسنگھ طالع آزمائی کے لئے کھڑا ہوا، راج بھروں سے مقابلہ تھا، مدد حاصل کرنے کے

= اور ہر مرتبہ کامیابی سے ہمکنار ہوا، اسی طرح راجہ بھیم راج کی شکست دینے کے بعد اجمیر کے اطراف کے راجپوت جب مقابلہ کے لئے جمع ہوئے، اور قطب الدین ایبک کو اس کا علم ہوا کہ راجپوت مقابلہ کے لئے صف آرا ہو رہے ہیں تو اس نے اپنا فاتحانہ رخ پھر سے راجپوتوں کی طرف کیا اور ایسی ناقابل تسخیر چڑھائی کی کہ راجپوتوں کے قدم اکھڑ گئے، اور وہاں کے لوگوں کی چند مرتبہ شورش انگیزی کے بعد خاندان غلاماں کی طرف سے راجپوتانہ میں متعدد فوجی اسٹیشن بھی قائم کردئے گئے، لہذا مذکورہ تاریخی اقتباسات سے استیناس کیا جاسکتا ہے کہ وہ مسلم بادشاہ (جن کے حملہ سے ہمارے اجداد راجپوتانہ سے روبہجرت ہوئے) جن سے تاریخ خاموش ہے وہ خاندان غلاماں کا پہلا بادشاہ قطب الدین ایبک یا سلطان شمس الدین التمش یا خاندان غلاماں میں سے ہی کوئی بادشاہ رہے ہوں گے۔ **واللہ تعالی اعلم بالصواب.**

(مستفاد: تاریخ فرشتہ ج ا ص ۱۴۸ تا ۱۵۰، جامع تاریخ ہند اور آئینہ حقیقت نما)

نوٹ: یہ پورا حاشیہ تذکرہ ثناء اللہ مؤلفہ راقم الحروف سے ماخوذ ہے۔

لیے کنور سنگھ سن (۱۸ر رمضان) ۸۳۴ھ میں ابراہیم شاہ شرقی فرمانروائے جونپور کے دربار میں پہونچا، وہاں جواس نے اسلام کا صاف ستھرا رنگ دیکھا، علم وعلماء کی بارونق مجلسیں پائیں، مشائخ وصوفیاء کے ایمان افروز حلقوں میں پہونچا، دینداری سچائی اور اخلاص و دیانت کی ہر طرف گرم بازاری محسوس کی تو اس کے دل میں بھی ایمان کا چراغ جل اٹھا، یہی وہ خوش نصیب ہے جس نے اپنے خاندان میں سب سے پہلے اسلام کی برکات حاصل کرنے میں پیش قدمی کی، دربار شرقی میں اس کا نام ملک دیندار تجویز ہوا، ازلی سعادت نے قسمت میں یہ دولت بیدار لکھ دی تھی، ظاہری دشمن کے مقابلے میں کمک حاصل کرنے جونپور پہونچے تھے اور لوٹے تو ظاہر و باطن ہر دو دشمنوں پر فتح یاب وظفر مند تھے۔‘‘
(حیات مصلح الامت ص ۳۰)

مِلک اور خان کا لقب

میرے والد ماجد کی تحقیق یہ ہے کہ: کنور سنگھ جب مسلمان ہوئے تو اس وقت انہیں مِلک (یعنی بادشاہ) کا لقب دیا گیا اور ان کا نام ملک دیندار رکھا گیا، نیز مِلک کا خطاب ان کے لئے کوئی کیف ما اتفق نہ تھا بلکہ ان کے آباء و اجداد چوں کہ کئی پشتوں سے بادشاہ اور فرمانروا چلے آرہے تھے اسی بنا پر ان کے لئے مِلک کا خطاب دربار شاہ شرقی میں منتخب ہوا، پھر جب ہندوستان میں ۹۳۳ھ مطابق ۱۵۲۶ء میں مغل سلطنت کا آغاز ہوا تو کچھ دنوں بعد ہمارے اجداد کے لئے بجائے مِلک کے خان کا لقب تجویز ہوا، اور سب سے پہلے ہمارے اجداد میں حمید اور جتن صاحبان کو خان کا لقب ملا اس کے بعد ہمارے سلسلہ میں خان لوگوں کا جزء نام بن گیا۔

اب رہا سوال یہ کہ ہمارے اجداد کو مغل دور میں خان کا لقب کیوں دیا گیا؟ سو اس کا جواب راقم کے ناقص خیال کے مطابق یہ ہے کہ، جس طرح چنگیز خان (جس کا اصلی نام تموچین تھا۔ آئینۂ حقیقت نما ص ۳۱۰) کو اس کی فطری شجاعت، استقامت

اور جوانمردی کی بنا پر خان کا لقب دیا گیا اسی طرح ہمارے اجداد کو بھی تا تاریوں سے نسبی تعلق (جس کی تفصیل صفحہ نمبر۲۰ کے حاشیہ نمبر۲ میں گذر چکی ہے) کی بنا پر اسی روایتی لقب ''خان'' سے نوازا گیا۔ مولانا اعجاز صاحب اعظمیؒ فرماتے ہیں کہ:

''اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس نومسلم خاندان نے اپنی فطری شجاعت و بسالت کی مناسبت سے اپنے لئے ''خان'' کا لقب تجویز کیا۔''
(حیات مصلح الامت ص۹۲)

والد صاحب کی وفات

آپ اپنی زندگی کی ابھی ساتویں بہار سے گزر رہے تھے کہ والد صاحب کا سایہ سر سے اٹھ گیا جس کی وجہ سے آپ اور آپ کے بردار اکبر جناب تحصیل دار یوسف خان صاحب (۱) (مرحوم) یتیم ہو گئے۔ اور اس حقیقت سے انکار نہیں کہ والد یا والدہ کا سایہ

---

(۱) **تحصیل دار یوسف خان صاحب**: موصوف اعلیٰ صلاحیت یافتہ، وجیہ، باوقار، بااثر ورسوخ، تجربہ کار اور قدآور سرکاری عہدہ دار تھے۔

آپ کی پیدائش تقریباً ۱۹۱۲ء میں ہوئی۔ بچپن میں کم وبیش سات سال کی عمر میں ہی والد ماجد جناب عبدالرحمٰن خان صاحب کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، یتیمی کی حالت میں زندگی پروان چڑھی۔

تعلیم: گھوسی اعظم گڑھ میں ابتدائی تعلیم حاصل کئے اور بی ایس سی (BSC) کی تکمیل گورکھپور سے کئے۔

معاشی سرگرمیاں: گورکھپور میں سرکاری ملازم رہے، تجربہ، معلومات، کہنہ مشقی اور خدا داد صلاحیتوں کی وجہ سے ترقی کرتے ہوئے نائب تحصیل دار کے عہدہ پر فائز ہو گئے تھے۔ اور اسی اثناء میں کچھ دنوں کے لئے آپ تحصیل دار کے منصب پر بھی فائز رہے۔

اصلاحی تعلق: آپ کا اصلاحی تعلق حضرت اقدس شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری ثم الہ آبادیؒ سے تھا۔

اوصاف و خوبیاں: آپ خوبصورت ومتوازن خدوخال، اونچا قد، شگفتہ رو، نرم مزاج، =

اولاد کے لئے نہ صرف ایک ظل بلکہ بنیان مرصوص کی حیثیت رکھتا ہے۔ وصح ما قیل:

مرنجا مرنج، با اثر وپُر وقار، ذہین وفطین اور معاملہ فہم انسان تھے، ان کے طور طریقے اور چال ڈھال سے شرافت وتہذیب ٹپکتی تھی، ان کی صلاحیت واستعداد، علمی لیاقت، منظّم روش اور تجرباتی زندگی ہم عصروں کے لئے سامانِ رشک بنی رہی۔

آپ جسمانی طور پہ غیر معمولی قوت وزور آوری کے حامل تھے، بے مثال قوت وطاقت کی وجہ سے ان کے پہلوانی کے استاذ ''مینا پہلوان حمید پوری'' موصوف کی قد آوری کے قائل تھے، ان کی البیلی قوت کا عالم یہ تھا کہ سیدی حضرت والاؒ نے اپنے عم محترم جناب الیاس خان صاحب مرحوم کی روایت سے نقل فرمایا کہ:

امین چچا کے باغ میں آم کا ایک موٹا درخت تھا بڑے والد صاحب (تحصیلدار صاحب) آم کے موسم میں اس کے تنے کو پکڑ کر پوری قوت سے حرکت دیتے تو اس میں سے تیار آم نیچے گر جاتے تھے۔ اور میں (حضرت والا) نے جب اس درخت کا مشاہدہ کیا تو اسے اتنا موٹا پایا کہ اس کے تنے کی گولائی میرے دونوں ہاتھ کے دائرے میں نہ آتی تھی نیز اس درخت کو حرکت دینا تو درکنار اس کی ایک موٹی شاخ بھی مجھ سے کسی صورت میں ٹس سے مس نہیں ہو پا رہی تھی، اگر یہ واقعہ الیاس چچا جو کہ اس کے عینی شاہد تھے مجھے نہ بتائے ہوتے تو شاید مجھے اسے قبول کرنے میں بڑا تامل ہوتا اور یقیناً میں اسے مبالغہ آمیزی پر محمول کرتا۔

لیکن قابل تعریف بات یہ ہیکہ، اس قدر منتہیانہ قوت وطاقت کے بعد بھی موصوف ایک شریف الطبع اور معقول آدمی سے پہچانے جاتے تھے، ارباب زمانہ کی طرح زورِ بازو کا ناجائز فائدہ اٹھا کر لوگوں کے حقوق کو پامال کرنا، ظلم واستبداد کا مظاہرہ کرنا اور اپنی طاقت کا لوہا منوانے کی فکر میں رہنا وغیرہ طفلانہ حرکتوں سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی، جھگڑا لڑائی، ناشائستگی، خرافات و فسادات سے کوسوں دور رہتے تھے۔

سیدی حضرت والاؒ نے نقل فرمایا کہ:

۱۹۶۰ء کے دہائی میں ہمارے وطن موضع حمید پور میں مسلمانوں کا غیر مسلموں سے کسی بات پر آپسی جھگڑا رونما ہوا، بات کافی بگڑ گئی، حالات قابو سے باہر ہو گئے۔ اور اطراف کے غیر مسلم بھی گاؤں میں جمع ہو گئے، باہمی فساد وشورش کی آگ بھڑکانے کی کوشش ہونے لگی، اپنی تعداد کے=

مـا کـان قیـس هُـلکـه هُلك واحد
ولـکـنـه بـنیـان قوم تهـدمـا

ترجمہ: قیس کی ہلاکت کسی ایک آدمی کی ہلاکت نہیں بلکہ وہ ایک پوری قوم کی بنیاد تھی جو اکھڑ گئی۔

لہذا اس عظیم خسارے اور کربناک حادثہ کے بعد بفحوائے آیت کریمہ **ان مع العسر یسرا** اللہ تعالی نے یسر ولطف کا معاملہ فرمایا اور آپ دونوں کو کمالات سے نواز دیا، آپ کو بے مثال دینی کمالات و وجاہت اور برادر اکبر کو زبردست دنیوی وجاہت

= زعم میں غیر مسلم پر عزم اور برسرپیکار تھے حتی کہ حسبِ روایت آپس میں ہلدی بھی تقسیم کرنے لگے، اس پر مستزاد پولس نے گاؤں کا نہ صرف محاصرہ کیا بلکہ پورا گاؤں پولس چھاؤنی میں تبدیل ہوکر رہ گیا تھا۔ ایسی نازک اور تشویشناک صورت حال میں بڑے والد صاحب نے انتہائی دور رسی وعقلمندی کا مظاہرہ کیا اور یک وتنہا غیر مسلموں کے قائدین وسربرآوردہ لوگوں کے پاس گئے، باہمی مصالحت کی بات کی، فتنہ وفساد سے دور رہنے کی ہدایت کی، اور باہمی ہم آہنگی وانسانیت کو فروغ دینے کے لئے مختصر لیکن مسحور کن تقریر کی جس سے پوری کایا پلٹ گئی، غیروں کا دل بھر آیا، کشیدگی میں کمی آئی اور باہمی لڑائی کا عفریت ٹوٹ گیا اور بالآخر باہمی طور پہ مصالحت ہوگئی۔ **ولـلـه الحمد و المنة** نیز وہاں موجود ڈی ایم اور ایس پی نے جب آپ کی تقریر سنی تو مجسم حیرت ہوکر کہہ اٹھے کہ ”جہاں ایسے اعلی صلاحیت یافتہ باکمال لوگ موجود ہوں تو وہاں ہماری ضرورت ہی نہیں۔“

الغرض موصوف اعلی صلاحیت یافتہ، پروقار، معقول، لیاقت مند، معاملہ فہم، مہذب اور سلجھے ہوئے انسان تھے۔

وفـــات: شوگر کے مرض نے کافی نحیف وکمزور کردیا تھا، کم وبیش ساٹھ سال کی عمر میں غالبا سن ۱۹۷۲ء ماہ دسمبر میں آخری سانس لئے اور داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ **انا لـلّـه وانا اليه راجعون.**

حق مغفرت کرے عجب باکمال انسان تھے۔ (ماخوذ از حاشیہ تذکرہ ثناء اللہ: مؤلفہ راقم الحروف)

عطا فرمائی۔

آغاز تعلیم

آپ کی ابتدائی عصری تعلیم غالباً گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں ہوئی اور کچھ عظمت گڑھ میں، پھر جبلی (jubilee) انٹر کالج گورکھپور سے آپ نے ہائی اسکول کیا، اور آگرہ سے بی اے اور کانپور یونیورسٹی سے آپ نے ایم اے کیا اور وہاں ممتاز نمبرات سے کامیاب ہوئے۔ ایم اے کے امتحان میں ممتاز نمبرات کی وجہ سے یونیورسٹی کی طرف سے وہاں تقرری کی پیشکش بھی ہوئی لیکن آپ نے اسے قبول نہ کیا۔

درس وتدریس

آپ عصری تعلیم کی تکمیل کے بعد مئو کے جیون رام انٹر کالج سے مربوط ہوئے اور چند سالوں تک وہاں انگریزی وحساب کی تعلیم دیتے رہے پھر حضرت شاہ صاحب کی صحبت اور ہمہ وقت معیت کے لئے آپ نے اس سے سبکدوشی اختیار کرلی، پھر ۱۹۵۳ء میں الہ آباد کے اسلامیہ کالج میں آپ کی تقرری ہوئی جہاں آپ نے بحیثیت ماسٹر پانچ چھ سال انگریزی، حساب کی تعلیم دی، پھر ۱۹۶۰ء کے قریب آپ ایشور شرن انٹر کالج الٰہ آباد سے مربوط ہوئے اور تقریباً ۱۹۷۰ء تک آپ تدریسی خدمات انجام دے کر وہیں سے ریٹائر ہوئے۔

حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے اصلاحی تعلق

آپ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوری علیہ الرحمہ کے لوگوں میں سابقون الاولون میں سے تھے، شاہ صاحب سے فتح پور میں ہی آپ نے اصلاحی تعلق قائم کرلیا تھا، اور کافی اہتمام سے شاہ صاحب کی گوہر بار مجلس میں شرکت بھی کرتے تھے، شاہ

صاحب کی نظر کیمیا اثر نے آپ کی زندگی کی کایا پلٹ دی، گھر میں کوئی خاص دینی ماحول نہ ہونے اور عصری تعلیم میں ایک معتد بہ پوزیشن کے باوجود آپ پر دین کا ایسا رنگ چڑھا کہ آپ کی ساری ترجیحات، مرکزِ توجہ اور اصل ہدف دین اور دینی تگ ودو ہوکر رہ گئی، اور شاہ صاحب کی بابرکت صحبت اور ان کی پرنور مجالس کا آپ پر اس قدر اثر ہوا کہ مئو کے اسکول سے آپ مستعفی ہوئے اور معاشی بندوبست کے لئے فتح پور میں آپ نے ایک دکان کرلی نیز وہیں سسرال کو اپنا مستقر بنا کر حضرت شاہ صاحب کے ہوکر رہ گئے۔

در فشانی نے تیرے قطروں کو دریا کردیا
دل کو روشن کردیا آنکھوں کو بینا کردیا
خود جو نہ تھے راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

شاہ صاحب سے قریب رہ کر پوری یکسوئی کے ساتھ آپ نے خوب خوب اکتساب فیض کیا حتی کہ آپ نے چند دینی کتب اور کچھ عربی قواعد حضرت شاہ صاحبؒ سے سبقا سبقا پڑھا بریں بنا آپ کو حضرت شاہ صاحب کے تلمیذ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ پھر ۱۹۵۳ء میں مع اہل وعیال آپ الٰہ آباد تشریف لے گئے، محلّہ کٹرہ میں فروکش ہوئے اور اسلامیہ کالج الٰہ آباد میں بحیثیت ماسٹر منسلک ہوکر انگریزی اور حساب کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔

الٰہ آباد پہونچ جانے کی وجہ سے حضرت شاہ صاحب سے دوری آپ کے لئے ناقابل برداشت بنی ہوئی تھی، بس قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ الٰہ آباد کو حضرت شاہ صاحب کے لئے دارالہجرت بنا دیا گیا، حضرت شاہ صاحب، فتح پور سے ہجرت فرما کر ایک دو جگہ قیام کرتے ہوئے تقریبا ۵۸-۱۹۵۷ء میں الٰہ آباد تشریف لے گئے، پھر کیا تھا گویا ماہ کامل گھر میں اتر آیا اور کنواں دروازے پر آ لگا، آپ کو دوبارہ اپنے مرشد و مربی کا قرب حاصل ہوا، حضرت کی معیت نصیب ہوئی، حضرت کی آمد آپ کے لئے

چوں کہ ایک نعمت غیر مترقبہ تھی، لہذا آپ نے اس نعمت عظمیٰ کی قدر دانی کرتے ہوئے فتح پور کی روایت کو قائم فرمایا اور شاہ صاحب کی مجلس میں باریابی کے ساتھ شاہ صاحب کے خزانہ عامرہ سے خوشہ چینی کرنے لگے، حضرت کے حکیمانہ ارشادات عارفانہ کلمات سے روحانی غذا حاصل کر کے تزکیہ نفس، اصلاح اعمال کے ساتھ سیر وسلوک کے منازل طے کرنے لگے، اور پوری دلجمعی کے ساتھ آپ کسب فیض کرتے رہے حتی کہ یہ زریں سلسلہ حضرت کی وفات یعنی ۱۹۶۷ء پر منتہی ہوا، اور اس طرح الہ آباد میں کم وبیش دس سال تک آپ کو حضرت کی صحبت ومعیت حاصل رہی۔

عیسیٰ کو پیش کر دوں گا

شاہ صاحب سے دیرینہ تعلقات اور کئی عشروں پر مشتمل صحبت ومعیت سے آپ، حضرت کے کافی معتمد اور منظور نظر ہو گئے تھے، اور خانقاہ وصی الٰہی میں آپ ممتاز لوگوں میں سے تھے، روایت یہاں تک ہے کہ ایک موقع پر حضرت شاہ صاحب نے آپ کے بارے میں فرمایا کہ ”مرنے کے بعد اگر اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ وصی اللہ کیا لائے ہو؟ تو عیسی کو پیش کردوں گا“ نیز مشہور ہے کہ شاہ صاحبؒ نے آپ کو خلعت خلافت سے بھی نوازا تھا(۱)۔

(۱) سوانح مسیح الامت میں خلفاء ومجازین کی فہرست میں جہاں حضرت ماسٹر صاحب کا نام درج ہیں وہیں آپ کے نام کے ساتھ بین القوسین میں لکھا ہے: ”مجاز حضرت شاہ وصی اللہ صاحب“۔ (دیکھئے: سوانح مسیح الامت، ص ۳۹۱، مؤلفہ مفسر قرآن حضرت مولانا سید غیاث الدین صاحب الہ آبادی زید مجدہ)

نوٹ: رسالہ اخبار الطالبین باسماء المجازین شائع کردہ مکتبہ وصیت العلوم (الہ آباد) میں شاہ صاحب کے خلفاء ومجازین میں ماسٹر عیسیٰ صاحبؒ کا نام نہیں ہے، ممکن ہے کہ مرتب رسالہ کو آپ کی خلافت کا علم نہ رہا ہو کیوں کہ اس سلسلہ میں مرتب کو جن جن حضرات کے بارے میں علم ہوا ان کا نام مجازین میں درج کر دیا گیا جیسا کہ مرتب رسالہ نے عنوان ”اس سلسلہ میں بعض ضروری گزارشات بھی ہیں“ کے ذیل میں اس فہرست کے عدم حصر کی طرف اشارہ فرما کر اس پہلو کو واضح کر دیا ہے کہ، جن حضرات کا ہمیں علم ہوسکا انہیں شامل فہرست کر دیا گیا جب کہ ممکن ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے کچھ مزید خلفاء اور بھی ہوں جن کی خلافت واجازت کا ہمیں علم نہ ہوسکا لہذا ان کی نفی نہیں۔ مستفاد: خلفاء ومجازین بیعت، ص ۸ (ا ر ف)

حضرت مسیح الامت سے بیعت اور خلافت

شاہ صاحب کی رحلت کے بعد آپ اپنی مزید روحانی تشنگی دور کرنے کے لئے اپنے فرزند ارجمند سیدی عارف باللہ حضرت اقدس مفتی محمد مامون رشید خان صاحب قاسمیؒ (۱) کے مشورہ سے مسیح الامت حضرت مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی علیہ الرحمہ

(۱) آسمان رشد و ہدایت کے نیر تاباں گلستان علم و معرفت کے گوہر درخشاں نمونہ اسلاف یادگار صالحین سیدی وسندی عارف باللہ حضرت اقدس مفتی محمد مامون رشید خانصاحب قاسمی حمید پوریؒ صوفی باصفا، گوشہ نشین صاحب اشراق والہام بزرگ تھے۔

ولادت با سعادت: حضرت والا کی ولادت باسعادت ۴ر صفر المظفر ۱۳۶۴ھ ۱۹ر جنوری ۱۹۴۵ء کو جناب محترم ماسٹر عیسیٰ صاحب حمید پوریؒ (خلیفہ ومجاز ومعتمد خاص حضرت اقدس شاہ مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادیؒ) کے گھرانے میں ہوئی۔

بچپن: آپ مادرزاد ولی تھے، بچپن سے ہی آپ کی طبیعت پر ذکر الٰہی کا غلبہ ہو گیا تھا، بچپن کے کھیل کود طفلانہ اودھم چوکڑی سے آپ کو دلچسپی نہیں تھی، دس سال کی عمر سے یاد خداوندی، استحضارِ حق کا اہتمام شروع ہوا اور تا حیات قائم دائم رہا۔

آغاز تعلیم: آپ کے ناظرہ قران کا آغاز فتح پور تال نرجا میں حضرت شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ کے مکتب سے ہوا۔ پھر سن ۱۹۵۲ء میں آپ کا والدین کے ساتھ بمبئی کا سفر ہوا اور یہاں کرلا پائپ روڈ مرکز مسجد کے سابق امام وخطیب حضرت مولانا اختر الزماں صاحب بنگالیؒ (خلیفہ ومجاز حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند) سے مرکز مسجد پائپ روڈ میں ناظرہ قران کے سلسلے میں شاگردی کا شرف حاصل ہوا پھر الہ آباد پہونچ کر قاری حبیب احمد صاحب الہ آبادیؒ (خلیفہ ومجاز حضرت اقدس شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ) کا قائم کردہ ادارہ مدرسہ نعمانیہ کٹرا میں ناظرہ قران کی تکمیل ہوئی۔

عربی تعلیم: آپ کی عربی تعلیم حضرت اقدس شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ کے مدرسہ وصیۃ العلوم الہ آباد میں شروع ہوئی۔ اور موقوف علیہ تام تک کی کتابیں آپ نے وہیں پڑھا، بعد ازاں سن ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۹ء میں آپ نے دار العلوم دیوبند سے دورہ حدیث کی تکمیل کیا، =

الرحمہ سے اصلاحی تعلق قائم کرنے کا قصد کیا، اوراس غرض سے آپ نے حضرت مسیح

= یہ دور فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ کا تھا جن سے آپ نے بخاری پڑھی۔ پھر آپ نے ۷۲-۱۹۷۱ء میں دارالعلوم دیوبند سے افتاء اور ادب کی تکمیل کی، دارالعلوم سے تحصیل علوم کے بعد علمی تشنگی نے مصر جاکر مزید علوم وفنون حاصل کرنے پر مہمیز کیا جس پر حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے آپ کو اپنے قلم سے لکھ کر تصدیق نامہ جس پر وقیع توثیقی کلمات درج تھے عنایت فرمایا تاہم بوجوہ چند آپ نے ارادہ ترک فرمادیا۔

درس و تدریس :فراغت کے بعد قاری حبیب صاحب الہ آبادیؒ کے حسب حکم ان کے مدرسے میں آپ نے کچھ دنوں تک ہدایہ شرح بدایۃ المبتدی کا درس بھی دیا۔

سیر و سلوک :علوم باطنیہ کے حصول کا سفر آپ نے حیرت انگیز طور پر بچپن سے ہی شروع کردیا تھا بعدازاں وصیۃ العلوم الہ آباد میں قیام کے دوران حضرت شاہ صاحبؒ کی ایمان افروز صحبت، بصیرت افروز مواعظ اور بارونق مجالس سے آپ بڑے ہی اہتمام سے مستفید ہوتے رہے، پھر ۱۹۶۷ء میں حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ نے مسیح الامت حضرت مسیح اللہ خانصاحب جلال آبادیؒ (جلیل القدر خلیفہ ومجاز حضرت تھانویؒ) سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور بڑے دھن ودھیان اور کامل توجہ کے ساتھ اصلاح باطن کے ساتھ تصوف، سیر وسلوک کے مراحل طے فرمائے، حضرت قاری حبیب صاحب الہ آبادیؒ (خلیفہ ومجاز حضرت اقدس شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ) اور حضرت مولانا قمر صاحب انصاری الہ آبادی زید مجدہ (خلیفہ ومجاز حضرت اقدس مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادیؒ) نے آپ کو خلعتِ خلافت و اجازت سے نوازا۔

دعوت و ارشاد :سن ۱۹۹۴ء میں آپ نے اپنے وطن حمید پور سے اصلاحِ خلق اور دعوت وارشاد کے کام کا آغاز فرمایا، وطن، اورنگ آباد اور بمبئی میں ۲۵؍سالوں تک آپ نے اصلاحی خدمات انجام دیں، آپ کا طرز تربیت واصلاح ہوبہو حضرت جلال آبادیؒ کی طرح تھا۔

کمالات و خصوصیات :اتباع سنت، توکل علی اللہ، احقاق حق وابطال باطل، رد بدعات وخرافات اور حق گوئی میں آپ یگانہ روزگار معلوم ہوتے تھے۔ =

الامتؒ سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع کیا، ابھی مراسلات کا سلسلہ شروع ہوئے

= علوم ظاہری و باطنی میں آپ کو یکساں مہارت حاصل تھی، تصوف کے اسرار و رموز، سیر وسلوک کے نشیب وفراز اور اصلاحِ خلق کے مناسب و معتدل طریقوں سے بخوبی آشنا تھے، اپنے کمالات کے اخفاء اور خمول پسندی میں اپنی مثال آپ تھے، منقطع عن الخلق رہنے کے عادی تھے، بھیڑ بھاڑ، شہرت اور ناموری سے کوسوں دور رہتے تھے، دعوت وتبلیغ میں **ادعو الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة** اور رد بدعات ومنکرات میں **لایخافون فی الله لومة لائم** کی آپ عملی تفسیر تھے۔

آپ کی بڑی کرامت اتباع سنت، ہر وقت مولی کی یاد یعنی استحضار حق، یادِ مولی سے کسی ساعت غفلت نہ ہونے کی فکر ونگہداشت اور بلا خوف لومۃ لائم رد بدعات وخرافات تھیں جو کہ دراصل آپ کے نمایاں کمالات تھے۔

از فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جا است

ترجمہ: ان کے سر سے لے کر قدموں تک جہاں بھی میں دیکھتا ہوں ان کی رعنائی میرے دامنِ دل کو کھینچتی ہے کہ دیکھنے کی جگہ یہی ہے۔

آپ کی حسی کرامت یعنی خرق عادت کے بھی کئی ایک واقعات ہیں جن کی اس مختصر سے تعارفی تحریر میں گنجائش نہیں۔

الغرض آپ کی ذات گرامی قدر اس آخری دور میں مغتنمات میں سے تھی۔

اعد ذکر مامون لنا ان ذکره
هو المسك ما کررته یتضوع

آفاق را گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

(امیر خسرو علیہ الرحمہ)

ترجمہ: میں نے آفاق کی (دنیا جہان کی) سیر کی ہے، بہت سے حسینوں کو آزمایا اور دیکھا ہے لیکن آپ کوئی دوسری ہی چیز ہیں۔ =

چند ماہ ہی گزرے تھے کہ حضرت مسیح الامتؒ کو آپ کے دینی مزاج و مذاق، تصلب فی الدین، راہ معرفت سے اچھی واقفیت کا اندازہ ہوگیا، لہذا حضرت نے آپ پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے ایک مکتوب گرامی میں آپ کو خلافت واجازت سے نواز دیا، اور جس طرح حضرت عبدالرحمٰن کامل پوری علیہ الرحمہ (سابق صدر المدرسین مظاہر العلوم سہارنپور) کو حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے قبل بیعت ہی خلافت عطا فرمائی تھی [۱] اسی طرح کی ایک نادر مثال آپ کی خلافت قبل بیعت سے منصۂ شہود پر آئی۔

پھر وقتاً فوقتاً حضرت مسیح الامت کی خانقاہ میں پہونچ کر کچھ دن یا چند ماہ آپ نے قیام کا سلسلہ شروع فرمایا، اور جب بھی آپ وہاں قیام فرماتے تو آپ پر ایک عجیب کیفیت طاری رہتی تھی، یکسوئی، للّٰہیت، گوشہ نشینی، قلت کلام، عدم اختلاط وغیرہ لوازم طریقت کے آپ عملی نمونہ نظر آتے تھے، واردین وصادرین پر آپ کا طرز عمل، بود و باش اور حضرت کی تعلیمات کی پیروی قابل رشک ہوا کرتی تھی، لوگ آپ کے طور طریقے سے انتہائی متاثر نظر آتے تھے۔

آپ اپنے شیخ ثانی کی قربت ومعیت کو ایک نعمت عظمیٰ سمجھ کر حضرت پر مر مٹنے کی قابل قدر کوشش کرتے رہے اور اپنے وجود کو حضرت کے سامنے فنا کر کے حضرت کے ہی ہو رہے، حضرت کی تعظیم واحترام کا آپ پر اس قدر غلبہ تھا کہ جس ٹیپ ریکارڈر

= **وفات حسرت آیات**: ۶/ذوالقعدہ ۱۴۴۰ھ موافق ۹/جولائی ۲۰۱۹ء کو بروز بدھ بوقت ۳/ بجے دوپہر یہ آفتابِ جہاں تاب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا، نیوممبئی واشی کو پرکھیرنہ قبرستان میں آپ مدفون ہوئے۔ فرحمه الله تعالى رحمة واسعة

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

نوٹ: حضرت والا علیہ الرحمہ کی سوانح حیات پر تفصیلی کام چل رہا ہے جو کہ راقم کی قلم سے کچھ دنوں میں منظر عام پر آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالی۔ (بندہ ارشد رشیدی عفا اللہ عنہ)

(۱) تجلیات رحمانی سوانح حیات حضرت کامل پوری، ص ۳۰۲

میں آپ حضرت کی مجلس ٹیپ کرتے تھے اسے اپنے سینے سے لگا کر حضرت کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے، اسے لٹکائے ہوئے لے جانا آپ کو گوارہ نہیں ہوتا تھا، آپ حضرت کی تعلیمات کا از حد خیال رکھتے تھے، حضرت کے بتائے ہوئے معمولات کی پابندی، حکموں کی بجا آوری اور حضرت کے ارشادات کے مطابق زندگی ڈھالنے کی فکر ہمہ وقت آپ کے دامن گیر رہتی تھی، اس بات کی بھر پور کوشش فرماتے کہ حضرت کی نافرمانی تو کجا حضرت کے منشا کے خلاف بھی کوئی کام نہ ہو، اس طرح پورے تیقظ و بیداری کے ساتھ آپ نے حضرت پر پامالی کی از حد کوشش فرمائی اور کافی حد تک اس میں آپ کامیاب بھی رہے، گویا آپ نے اپنے طرز عمل سے سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے درج ذیل شعر کا عملی نمونہ پیش فرمایا۔

تین حق مرشد کے ہیں رکھ ان کو یاد
اعتقاد و اعتماد و انقیاد[1]

آپ اپنی خدا داد قابلیت، دینی رنگ ڈھنگ اور ستھرے مزاج و مذاق کی وجہ بہت جلد حضرت مسیح الامت کے منظور نظر ہوگئے تھے، حضرت کو آپ پر اتنا اعتماد و اطمینان تھا کہ اکثر اہم امور میں حضرت آپ سے مشورہ لیتے اور بہت سی فیصلے آپ کے مشورہ کے مطابق کرتے تھے۔

حضرت کے آخری عمر میں جب ضعف و نقاہت زیادہ ہوگئی اور لوگوں کا پانی پر دم کرانے کا غیر متناہی سلسلہ کسی حال تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا اور حضرت کو بار بار دم کرنا گراں معلوم ہونے لگا تو ماسٹر صاحب نے مشورہ دیا کہ ایک بڑا ڈرم حضرت کے آمد و رفت والے راستہ میں رکھ دیا جائے تا کہ حضرت آتے جاتے اس پانی سے بھرے ہوئے ڈرم میں دم کرتے رہیں پھر اسی میں سے پانی نکال کر واردین و صادرین کو دیا جاتا رہے گا، حضرت کو آپ کی تجویز بے حد پسند آئی لہذا اسے فوراً عملی جامہ پہنا دیا گیا،

(۱) ملفوظات کمالات اشرفیہ، ص ۳۷

اس طرح آپ کی بہت سی تجاویز کو خانقاہ جلال آباد میں شرف قبولیت بخشا گیا۔

عیسیٰ ! مثل عالم ہیں

حضرت مسیح الامتؒ نہ صرف تدبیر منزل اور انتظامی امور میں آپ سے مشورہ کرتے بلکہ حضرت کے نزدیک چوں کہ آپ کی علمی قابلیت بھی اطمینان بخش تھی لہذا وقتاً فوقتاً حضرت آپ سے علمی باتوں میں بھی رائے لیتے اور آپ کے جواب سے کافی مطمئن اور خوش ہوتے تھے، اور آپ کی اسی علمی رسوخ و قابلیت کی وجہ سے حضرت مسیح الامتؒ آپ کے بارے میں فرماتے تھے کہ: عیسی رسمی عالم گو نہیں لیکن مثل عالم ضرور ہیں۔

دعوت وارشاد

تقریباً ۱۹۷۰ء کی دہائی میں (غالباً حضرت مسیح الامتؒ سے خلافت واجازت ملنے کے بعد) آپ اپنے وطن موضع حمید پور میں مسند ارشاد پر فائز ہوئے اور لوگوں کی اصلاح وتربیت اور تزکیہ باطن کا سلسلہ شروع کیا جو کہ آپ کی وفات تک قائم رہا۔

آپ کی مجلس کافی سادہ عام فہم حضرات شیخین کے طرز پہ ہوا کرتی تھی، آپ مجلس کا آغاز قرآن کریم کی تلاوت سے کرتے پھر اس کی مناسب تشریح اور مفسرین کے نقل کردہ تفسیری نکات بیان فرماتے، پھر حسب ضرورت کوئی ایک اپنی پسندیدہ اصلاحی کتاب (غنیۃ الطالبین مؤلفہ شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ بھی آپ کی پسندیدہ کتابوں میں تھی) مریدین کے روبرو سناتے اور موقع بموقع تتمیم فائدہ کے طور پہ کچھ اہم نکات بیان فرماتے اور مشکل مقامات کو حل کرنے کے ساتھ موقع کی مناسبت سے سبق آموز واقعات بھی گوش گزار کرتے رہتے تھے۔

متعدد مرتبہ قریبی قصبہ ندواسرائے میں بھی آپ کا وعظ ونصیحت کے لئے جانا ہوا، کبھی کبھار گاؤں کی جامع مسجد میں آپ جمعہ کا بیان فرما کر خلق کثیر کو مستفید فرماتے

تاہم اس وقت گاؤں میں مصریت کے عدم تحقق کی وجہ سے آپ اپنی فقہی معلومات کی روشنی میں گاؤں میں جمعہ کے جواز کے قائل نہ تھے لہذا نماز جمعہ سے قبل ہی مسجد سے نکل جاتے تھے، الغرض گاؤں واطراف کے گم کردہ راہوں کے لئے آپ کی حیثیت ایک خضر راہ کی تھی۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

وفات حسرت آیات

آپ کی کی عمر جب ۸۳ سال کے قریب پہنچی تو آپ اکثر لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ میرے شیخ ثانی حضرت جلال آبادیؒ اور دادا پیر حضرت تھانویؒ یہ دونوں حضرات ۸۳؍ سال کی عمر میں وفات پائے، لہذا اب میں بھی ۸۳؍ سال کا ہو رہا ہوں بس اب مجھے بھی اسی وقت موعود کا انتظار ہے، لہذا جیسے ہی آپ ۸۳؍ سال کے ہوئے آپ کی علالت و نقاہت بڑھنے لگی حتی کہ وقت موعود آپہونچا اور بروز منگل ۱۰؍ صفر ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۷؍ جون ۱۹۹۷ء کو ۸۳؍ سال کی عمر میں علم وفضل کا یہ تابناک آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

اور اگلے دن بعد نماز ظہر آپ کی وصیت کے مطابق قاری یونس صاحب ندواسرائے (مرحوم) کی امامت میں آپکی نماز جنازہ ادا کی گئی پھر آپ کے متوسلین، متعلقین اور محبین کے ہجوم نے بدل بریاں بچشم گریاں آپ کو آپ کے گھر کے قریب آبائی قبرستان میں سپرد خاک کر دیا۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

باب دوم:

(صفات،کمالات اور خصوصیات)

تقویٰ واحتیاط

اللہ تعالیٰ کی گرفت کے خوف اوراس کے سامنے حساب کتاب کے لئے پیشی کے ڈر سے زندگی معاصی سے بچاتے ہوئے شرع کے مطابق گزارنے کا نام تقویٰ ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ تقویٰ سے نواز دیتے ہیں تو وہ زندگی بڑی احتیاط کے ساتھ پھونک پھونک کر گزارتا ہے، اس کے دل میں ہر آن ایک کھٹک سی لگی رہتی ہے کہ مجھ سے کسی وقت حق اللہ یا حق العباد فوت نہ ہوجائے، لہٰذا محرمات ومکروہات تو درکنار مشتبہات سے بچنا اس کی طبیعت بن جاتی ہے، اگرحضرت ماسٹر صاحب کی زندگی کے اوراق اٹھا کر دیکھے جائیں تو یہ بات روز روشن کی عیاں نظر آتی ہے کہ آپ کی پوری زندگی تقویٰ و احتیاط کے گرد گھومتی رہی، پورے تیقظ و بیداری کے ساتھ آپ نے زندگی کا سفر طے کیا، اپنا نقصان برداشت کرنا آپ کے لئے سہل تھا لیکن لوگوں کے حقوق پامال ہوں یہ گوارہ نہ تھا، ذیل میں چند واقعات بطور مشتے نمونہ ازخروارے نقل کررہا ہوں جو سطور بالا کے لئے شاہد عدل اور آپ کے تقویٰ و پاکیزگی کے لئے آئینہ دار ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ایک مرتبہ آپ نے دال کا عشر نکالا اور ایک صاحب کے سامنے اس کا ذکر فرمایا، ان صاحب نے دریافت کیا کہ کس مصرف میں دینے کا ارادہ ہے؟ آپ نے فرمایا کوئی بھی مستحق ملے گا دے دوں گا، اس پر انہوں نے گھوسی کے ایک ادارے کا ذکر کیا، اس پر آپ نے دریافت کیا کہ میری دال، بھوسی کے ساتھ ہے، اس پر ان صاحب نے کہا کہ بھوسی نکلوا کر مدرسہ میں دے دوں گا، پھر آپ نے دریافت کیا کہ، اس بھوسی کا کیا ہوگا؟ اس پر وہ خاموش رہے، تو آپ نے فرمایا کہ بھائی! دال مع بھوسی

پر غرباء کا حق ہے بھونسی انہیں نہ دینے میں ان کی حق تلفی ہوگی لہذا میں خود کسی نادار کو بلا کر دے دوں گا آپ کو دینے سے معذرت خواہ ہوں۔

(۲) ایک مرتبہ آپ ایک صاحب کے یہاں گھی خریدنے گئے، وہ صاحب آپ کا برتن لے کر گھر کے اندرونی کمرے میں جانے لگے، اس پر آپ نے فرمایا کہ، اندر سے گھی بھر کر لانے کے بجائے آپ میرے سامنے ہی برتن میں گھی ڈال کر وزن کر دیں تو بہتر ہوگا، اس پر انہوں نے کچھ کہا، پھر آپ نے فرمایا کہ مجھے آپ سے ناپ تول میں کمی کا اندیشہ نہیں ہے بلکہ بہت ممکن ہے کہ آپ کچھ بیشی (زیادہ) ہی دیں گے لیکن معاملات کی شفافیت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ میرے سامنے ہی تولیں، پھر آپ نے ایک پتہ کی بات ارشاد فرمائی کہ:

جس طرح کسی کے بارے میں بدگمانی کرنا درست نہیں اسی طرح کسی کے لئے بدگمانی کا موقع فراہم کرنا بھی درست نہیں۔

(۳) آپ اپنے کھیت کے جہات اربعہ (چاروں طرف) میں ایک ایک ہاتھ جگہ چھوڑ کر فصل کی کٹائی کرواتے تھے کہ کہیں اردگرد والوں کی بیج ہمارے میں نہ آ گئی ہو اور اتنے حصوں کی فصل ہمارے اور اس کے درمیان مشترکہ نہ ہوگئی ہو۔

(۴) عام طور پر لوگ عورتوں کے میراثی حقوق میں کوتاہی کرتے ہیں، باپ کے انتقال کے بعد خود ہی سارا غلہ کھاتے اور اس سے بہر صورت منتفع ہوتے ہیں حالاں کہ اس میں جملہ ورثہ کا حق ثابت ہو جاتا ہے لہذا اپنے حصہ کے بقدر تو انتفاع جائز ہے لیکن اپنے حصہ سے زائد کا استعمال ورثہ کی اجازت کے بحکم غصب ہو کر ناجائز ہوتا ہے، بناء علیہ آپ اس معاملہ میں انتہائی محتاط تھے اسی لئے کسی کی دعوت آپ جلدی قبول نہ فرماتے تھے۔ البتہ اگر کسی کا کھانا بالکل طیب ہوتا تو اسے قبول بھی فرما لیتے تھے ورنہ اکثر معذرت کر دیا کرتے تھے۔

(۵) آپ کے ایک قریبی جو آپ کی بڑی خدمت بھی کرتے تھے ان کی آمدنی

جب تک حلال وطیب تھی آپ ان کے یہاں کھانا کھالیا کرتے تھے لیکن جب ان صاحب نے بینک میں ملازمت اختیار کرلیا تو آپ نے دیرینہ سلسلہ ختم کردیا کیوں کہ بینک کی آمدنی گھر کے پیسوں میں ملوث ہونے کی وجہ سے ظاہر ہے کہ گھر کا پیسہ طیب نہیں رہ گیا لہذا آپ نے ان کے یہاں کھانا پینا بالکلیہ ترک فرمادیا۔

(۶) ایک صاحب نے آپ کو پپیتا بطور ہدیہ دیا، لیکن شام ہوتے ہوتے خلاف عادت وہ پتھر کی طرح سخت ہوگیا، آپ نے اسے اپنے ایک خاص آدمی کو دکھایا اوراس کے حیرت انگیز طور پہ سخت ہوجانے پرتشویش کا اظہار کیا، راوی کا کہنا ہے کہ: بہت ممکن ہے کہ وہ پپیتا مشکوک یا حرام رہا ہوگا جسے کرشماتی طور پہ منجانب اللہ سخت کر کے حضرت کواس سے محفوظ رکھا گیا، یہ حضرت کی تقوی کی برکت ہے۔

(۷) اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ: ایک صاحب کو آپ نے قریبی قصبہ ندوا سرائے سے گیہوں لانے کے لیے کہا، انہوں نے خریدنے میں کچھ تاخیر کی جس کی وجہ سے آخر کا بچا ہوا گیہوں مل سکا، اس میں کچھ بھونسی وغیرہ زیادہ تھی، ان صاحب نے اسے اپنے گھر لاکر صاف کروایا اور بھونسی وغیرہ کے بقدر جتنا وزن گھٹ گیا تھا اپنی طرف سے گیہوں ڈال کر پورا کیا اور آپ کی خدمت میں اسے لے آئے اور سارا ماجرا آپ کو سنایا، آپ نے سن کر فرمایا کہ: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ جو بھی وزن گھٹ گیا تھا اس کی بھرپائی کی کوئی ضرورت نہ تھی، لہذا اس میں آپ کے گیہوں کی آمیزش ہوگئی ہے آپ اسے خود ہی استعمال کرلیں مجھے خود اپنے لئے اسے استعمال کرنے پر اطمینان نہیں ہورہا ہے [1]۔ لہذا وہ صاحب وہاں سے اٹھے اور کچھ دور گئے پھر دوبارہ آکر

(۱) وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ، حضرت ماسٹر صاحب نے یہ فیصلہ کیا کہ، انہوں نے جو گیہوں اپنی طرف سے ڈالا ہے وہ صرف اپنی غلطی کی پاداش میں اس کی بھرپائی کے لئے (یعنی ان کے خریدنے میں تاخیر کی وجہ سے گیہوں جو خراب قسم کا مل گیا تھا) لہذا اضافہ کردہ گیہوں کا ان کی طرف سے بطیب خاطر ہونا یقینی نہ ہوا جب کہ کسی کے مال وسامان سے استفادہ اس کی =

آپ سے کہنے لگے کہ، اچھا حضرت! کیا یہ گیہوں آپ مجھ سے خریدیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ: ہاں خرید سکتا ہوں اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جب سودا ہوگیا تو آپ نے ان صاحب سے اسے چکی پر بھجوایا لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ پوری بوری خلاف عادت چکی والے کے یہاں سے غائب ہوگئی، اور اس طرح اس کے استعمال کی نوبت ہی نہیں آئی۔

(۸) ہمارے علاقے کی زرعی زمین سے متعلق ارباب افتاء کے درمیان یہ اختلاف رہا کہ آیا خاتمہ زمینداری کے بعد بھی ہماری زمینیں بدستور عشری ہیں یا احکام عشر ختم ہوگئے؟ تاہم حضرت ماسٹر صاحب نے اس اختلافی مسئلہ میں اپنے فقہی ذوق اور معلومات فقہیہ کی روشنی میں ہمیشہ عشر کے قائل رہے اور از راہ احتیاط ہمیشہ پیداوار کا عشر دیتے رہے۔

(۹) آپ کے تقویٰ واحتیاط اور حق العباد کی حد درجہ رعایت کا اندازہ آپ کے اس قابل قدر طرز وادا سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ: آپ نے اپنے مرض الوفات میں کچھ رقم ایک لفافے میں ڈال کر اس میں ایک پرچہ پر رقم فرمایا کہ: ''میرے کفن، قبر کھودنے کا صرفہ، ندواسرائے سے قاری یونس صاحب (جنھوں نے آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی) کی آمد ورفت کا خرچ وغیرہ وغیرہ جملہ اخراجات اسی سے ادا کئے جائیں۔'' اور اس لفافہ یا وصیت نامہ کا ذکر آپ نے اپنے

= خوش دلی کے بغیر ناجائز ہے، لہذا آپ نے اسے قبول نہیں فرمایا، اور رہا سوال کہ پھر آپ نے اس مجموعہ میں سے ان کا حصہ انہیں دے کر باقی ماندہ کیوں نہیں رکھ لیا؟ اللّٰھم الا ان یقال، آپ نے اس مجموعہ میں سے دینا اس لئے مناسب نہ سمجھا کہ کہیں ان کا گیہوں اعلیٰ قسم کا ہو اور ہمارا ادنیٰ قسم کا اور اس مجموعہ میں سے انہیں دینے میں ظاہر ہے کہ ان کا پورا حق ادا ہونا مشکوک ہوتا بریں بنا ادنیٰ حق تلفی کے خوف سے آپ نے پورے مجموعہ سے ہی گریز کیا۔ واللّٰہ تعالی اعلم بالصواب. ارشد رشیدی فتح پوری عفا اللہ عنہ

مخصوص لوگوں سے فرما دیا تھا۔ سبحان اللّٰہ!

غرضیکہ آپ کی پوری زندگی تقویٰ، احتیاط، خوف و خشیت، پاکیزگی، پرہیزگاری اور حق العباد کی رعایت سے عبارت تھی۔

نظم وضبط اور وقت کی قدردانی

آپ نظم وضبط کے انتہائی پابند تھے، ہر کام کے لئے آپ کے یہاں ایک وقت مقرر تھا، پڑھنا لکھنا، گھر کا کام کاج، خورد ونوش، اوراد ووظائف اور مسترشدین کو وقت دینا وغیرہ سارے امور آپ کے یہاں ایک نظم وضبط اور متعین اوقات کے ساتھ انجام پاتے تھے، صبح سے رات سونے تک آپ کسی نہ کسی دینی، علمی یا خانگی انتظامی کام میں ہمہ وقت مشغول نظر آتے تھے، لایعنی کام اور تضیع اوقات کا آپ کے یہاں کوئی تصور ہی نہ تھا، بقول سیدی حضرت والا:

> ’’والد صاحب کو کبھی فارغ بیٹھا ہوا نہیں دیکھا، نماز، تلاوت قرآن، اوراد ووظائف، مطالعہ کتب، اپنی بیاض میں کچھ محفوظات رقم کرنا، گھر کے انتظامی امور کی انجام دہی وغیرہ میں آپ ہمہ وقت مشغول رہتے اور اوقات کے صحیح استعمال اور اس کے تحفظ کا آپ کو ہر وقت استحضار رہتا تھا۔‘‘

جمیع المصالح تنشأ من الوقت
فمن اضاعہ لم یستدرکہ ابداً

ترجمہ: سارے امورِ خیر وقت کی حفاظت سے ہی وجود میں آتے ہیں اور جس نے اسے ضائع کیا اس نے ناقابل تلافی خسارہ کیا۔

لوگوں کی بے اصولی یا اوقات کا زیاں آپ کو شاق معلوم ہوتا، بعض اوقات وقت کی قدردانی کے جذبہ اور صفت نظم وضبط سے متاثر ہو کر آپ خانقاہ وصی الٰہی میں

بعض اوقات لوگوں کو لایعنی بات چیت میں مشغول دیکھ کر ناراض ہوتے اور حضرت کی تعلیمات پر کاربند ہونے اور غفلت ولایعنی کاموں سے اجتناب کی تاکید کرتے تھے۔

❁ مولانا زکریا صاحب [1] راوی ہیں کہ: انیس بھائی ندواسرائے (مرحوم) نے مجھ سے حضرت ماسٹر صاحب کے حسن انتظام کے بارے میں بتایا کہ: جن دنوں شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوری علیہ الرحمہ کی خانقاہ میں مطبخ کا انتظام حضرت ماسٹر صاحب کے ذمہ تھا ان ایام میں جب ہماری رات کی روٹی بچ جاتی تو حضرت ماسٹر صاحب اسے اگلے دن دوپہر کو ہمیں دلواتے اور وجہ دریافت کرنے پر فرماتے کہ:

یہ آپ کے حصہ کی بچی روٹی ہے، اسے ضائع کرنا اسراف سے خالی نہیں اور آپ کے علاوہ کسی اور کو دینا نامناسب ہے، لہذا آپ ہی اسے کھائیں۔

❁ ایک مرتبہ ایک صاحب کہیں دور (غالبا میرٹھ) سے بلا اجازت واطلاع آپ کے یہاں حمید پور پہونچے اور آپ کے یہاں قیام کرنا چاہتے تھے تاہم ان کا بلا اجازت واطلاع آجانا آپ پر انتہائی شاق ہوا، لہذا ان کی اس بے اصولی کی وجہ سے آپ نے انہیں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی اور خاطر مدارات کرکے رخصت فرمادیا۔

الغرض آپ اپنی صفتِ نظم وضبط میں ''**لكل حال عنده عتاد**'' [2] کے عملی تفسیر معلوم ہوتے تھے۔

---

(۱) مولانا زکریا صاحب امام وخطیب جامع مسجد تکیہ واڑ کرلا بمبئی حضرت قاری یونس صاحب ندواسرائے (جنہوں نے صاحب سوانح حضرت ماسٹر صاحب کی نماز جنازہ پڑھائی تھی) کے صاحبزادے ہیں اور تکیہ واڑ مسجد میں تقریبا چار عشروں (چالیس سال) سے امامت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ **حفظه الله تعالى ورعاه**

(۲) **لكل حال عنده عتاد.** (شمائل الترمذی، رقم الحدیث: ۳۳۷)

ترجمہ و مفہوم: حضور ﷺ کا ہر امر میں ایک ضابطہ مقرر تھا اس لئے ہر امر میں ایک ضابطہ ہونا چاہیے۔ ملفوظات کمالات اشرفیہ، ص۲۳ (ا ر ف)

معمولات کی پابندی

یہ بات اوپر گزر چکی ہے کہ حضرت ماسٹر صاحب وقت کے بڑے ہی پابند تھے، ہر کام وقت کی پابندی کے ساتھ منظّم طریقے سے انجام دیتے تھے، آپ صبح وشام کے معمولات ایک منضبط وقت کے ساتھ ادا کرتے تھے، معمولات میں ناغہ تو درکنار متعینہ اوقات میں جلدی تاخیر وتعجیل بھی نہیں ہوتی تھی، اگر بات جوانی کی جائے تو ظاہر ہے کہ ایام شباب میں معمولات کے پابند حضرات عموما اپنی قوت و طاقت، جذبہ کی فروانی اور نشاط طبع کی وجہ سے اعمال میں کوتاہی سے محفوظ رہتے ہیں لیکن جیسے جیسے پیرانہ سالی اپنی طنابیں گاڑنے لگتی ہے اور بوڑھاپا دستک دینے لگتا ہے تو رفتہ رفتہ اعمال میں خلل، کمی، عمر رسیدگی کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں، اس کے برخلاف حیرانی کی بات یہ ہے کہ حضرت ماسٹر صاحبؒ پیرانہ سالی کے باوجود اعمال میں کمی تو درکنار اپنے معمولات پر اس طرح مضبوطی سے قائم رہے کہ دیکھنے والے آپ کے جذبۂ عمل اور عملی استحکام پر رشک کیا کرتے تھے۔

اسی طرح آپ پر طہارت وصفائی کا ہمیشہ غلبہ رہا حتی کہ پیرانہ سالی کے باوجود بلا کسی تردد آپ طہارت وصفائی پر کاربند نظر آتے تھے بلکہ آپ کے ضعف ونقاہت کے باوجود طہارت کا اہتمام دیکھ کر واردین وصادرین انگشت بدنداں ہوجاتے تھے۔

❁ ایک ڈاکٹر صاحب کو آپ نے دانت نکالنے کے لئے بلایا، وہ صاحب آئے اور اس سے پہلے کہ وہ دانت نکالتے آپ نے انہیں سمجھایا کہ، بھئی! جب آپ دانت نکالیں گے تو خون نکلنے کی وجہ سے آپ کا ہاتھ ناپاک ہوجائے گا لہذا آپ ہمارے لوٹے کو اپنے نجس ہاتھ سے ہرگز استعمال نہ کریں بلکہ فلاں شخص (جو وہاں موجود تھے) آپ کے ہاتھ پر پانی ڈال کر اسے پاک کرادیں گے، وہ سمجھ گئے، اقرار کیا اور عمل جراحی میں مشغول ہوگئے، پھر انھوں نے فارغ ہوتے ہی اپنی عام عادت کی

وجہ سے بے خیالی میں ہاتھ دھونے کے لئے آپ کا لوٹا اٹھالیا، بس یہ دیکھنا تھا کہ آپ کورہا نہ گیا آپ نے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب! غضب کیا آپ نے، منع کرنے کے بعد بھی آپ کو خیال نہ رہا اور میرا لوٹا آپ نے نجس کردیا، پھر آپ اسی درد وکرب کی حالت میں اٹھے اور اپنا لوٹا پاک کیا پھر ان کا ہاتھ پاک کرواکے انہیں رخصت فرمادیا۔ سبحان اللہ!

بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شرر تیشہ سے ہے خانہ فرہاد

کتب بینی کا شوق اور انہماک مطالعہ

عربی کا محاورہ ہے ”مجد العالم فی کراریس“[۱]

ترجمہ: عالم کے لئے باعث شرف اس کی کتابیں ہیں۔

اسی کے مطابق اللہ تعالی نے آپ کو حضرات شیخین کی طویل صحبت ومعیت کے طفیل دینی کتابوں سے تعلق ومحبت کا عظیم شرف عطا فرمایا تھا، علمی ذوق کے وافر حصہ سے آپ آراستہ تھے، آپ فی الواقع علم دوست انسان تھے، دینی کتابوں سے انسیت وتعلق آپ کی رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے اتھا، کتب بینی وکثرت مطالعہ آپ کا بہترین مشغلہ تھا، آپ کے پاس کتابوں کا ایک ذخیرہ تھا عربی، اردو اور انگلش تینوں زبانوں میں کتابیں آپ کے پاس ہمہ وقت موجود رہتی تھیں، فقہ وفتاویٰ کی کتابیں کافی تعداد میں آپ کے پاس تھیں، شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ کی غنیۃ الطالبین اکثر آپ کے سرہانے رہتی تھی، حضرت شاہ صاحب سے کچھ عربی قواعد پڑھ لینے کی وجہ سے آسان اسلوب والی عربی کتابیں آپ حل کرلیا کرتے تھے، اور تفسیر وفقہ کی جو عربی کتابیں ادق اور مشکل ہوتیں تو اسے اپنے فرزند ارجمند سیدی وسندی عارف باللہ

(۱) النعم السوابغ فی شرح الکلم النوابغ للتفتازانیؒ، ص ۶۱

حضرت اقدس مفتی محمد مامون رشید خان صاحب قاسمی علیہ الرحمہ سے پڑھوا کر سنتے سمجھتے تھے۔

آپ کے مطالعہ کا ایک خاص وقت تھا، اس میں انتہائی یکسوئی اور ہمہ تن توجہ کے ساتھ آپ کتابیں دیکھا کرتے تھے حتی کہ آپ کا کتابوں میں اس قدر زیادہ انہماک رہتا تھا کہ آپ نے خود ایک موقع پر فرمایا کہ: جب کتابیں دیکھنے بیٹھتا ہوں تو اس بیچ بجلی کب آتی اور کب جاتی مجھے اس کا احساس بھی نہیں ہو پاتا۔

کتابوں سے آپ کا تعلق اور اس سے لگاؤ اور شغف دیکھ کر مجھے دیوان متنبّی کا وہ شعر یاد آیا جو پہلے کبھی پڑھا تھا لیکن اب اس کا عملی نمونہ اور مصداق بھی دیکھ لیا۔

"خیر جلیس فی الزمان کتاب"[1]

ترجمہ: عمدہ ہمنشیں زمانہ میں کتاب ہے۔

علمی رسوخ اور فقہی ذوق

آپ کی خداداد فطری صلاحیت کافی مضبوط تھی اور استعداد جید تھی، اور حضرات شیخین کی معیت نے آپ کی لیاقت میں چار چاند لگا دیا تھا، شاہ صاحبؒ کی نظر کیمیا اثر سے جب آپ پر دینی رنگ چڑھا اور طبیعت پر دین کا غلبہ ہوا تو آپ کی ساری توجہات کا مرکز اور ترجیحات کا محور علم اور حصول علم ہو کر رہ گیا، اب ساری توانائی اسلامیات پر صرف ہونے لگی اور تمام محنتیں دینی مساعی کے خاطر وقف ہو گئیں، شدہ شدہ آپ کے علم میں رسوخ پیدا ہوتا گیا اور خاص طور پر فقہ سے خاصی مناسبت پیدا ہو گئی، فقہی مسائل کا آپ کو کافی استحضار رہتا تھا، گاؤں واطراف کے لئے آپ کی فقہی حیثیت مسلم مانی جاتی تھی، آپ کسی مفتی سے کم نہ تھے، بعض اوقات اعظم گڑھ وگردونواح سے بھی لوگ اہم مسائل دریافت کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں آتے تھے۔

---

(۱) دیوان المتنبی، ص ۷۹ (ا ر ف)

علم الفرائض (مسائل میراث) سے آپ کو کافی دلچسپی تھی، جزئیاتِ میراث آپ کو خاصہ از بر تھے، مسائل میراث میں آپ کے درک کا صحیح اندازہ ذیل کی عبارت سے لگایا جا سکتا ہے۔

❁ سیدی حضرت والا نے فرمایا کہ: والد صاحب نے علم فرائض (یعنی وراثت کے مسائل) پر مشتمل ایک اردو کتاب ایک خاص اسلوب میں لکھنے کا قصد فرمایا تھا اور علم ریاضی کی روشنی میں میراث کے جزئیات کو سہل ترین کر کے عوام کے سامنے پیش کرنے کا آپ ارداہ رکھتے تھے لیکن صرف اس بات پر ارداہ بدل دیا کہ وکیلوں کو مسائلِ میراث کے حوالے سے ہمیشہ علماء کی احتیاج رہتی ہے کہیں میری کتاب سے وہ علماء سے بے نیاز نہ ہو جائیں۔

❁ ایک مرتبہ خانقاہ جلال آباد میں حضرت مسیح الامتؒ نے حاضرین میں سے کچھ لوگوں سے ایک اہم مسئلہ دریافت کیا لوگ خاموش رہے جواب نہ دے سکے پھر حضرت نے ماسٹر صاحب سے دریافت کیا کہ: آپ بتائیں؟ آپ نے فوراً جواب دے دیا، اس پر حضرت بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔

❁ حضرت جلال آبادی علیہ الرحمہ علمی معاملات میں آپ پر کافی اعتماد فرماتے تھے، بریں بنا حضرت کی حیات و بعد وفات بھی خانقاہ جلال آباد سے کچھ رسائل و کتابیں آپ کے یہاں نظر ثانی کے لئے آتی تھیں، جس پر آپ نظر ثانی فرماتے اور بعض اوقات کچھ مفید مشورہ منسلک کر کے اسے ارسال فرمایا کرتے تھے۔

غرضیکہ آپ اپنے علمی فضل و کمال، فقہی ذوق اور وسعت نظر میں آفتاب علم و کمال کے ایک نیر تاباں تھے، اور حدیث شریف "**من یرد الله به خیرا یفقه فی الدین**"[۱] کے عملی مثال تھے۔

(۱) مشکاۃ المصابیح مع المرقاۃ ۱/۴۱۰، رقم الحدیث: ۲۰۰
ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارداہ فرماتے ہیں تو اسے دین کی سوجھ بوجھ عطا کر دیتے ہیں۔ (ا ر ف)

رسول اکرم ﷺ سے شیفتگی اور اتباع سنت

آپ کے یہاں اتباع سنت کا غایت اہتمام تھا، سنتوں کی پیروی میں آپ اپنی مثال آپ تھے، نشست و برخاست، بود و باش، رہن سہن، کہیں آمد و رفت میں آپ سنت کا بڑا اہتمام فرماتے تھے، آپ کی ایک ایک ادا حلقہ بگوشوں کے لئے درس و پیغام سے معمور ہوتی تھی، آپ کے سراپا طرز زندگی سے ہر کام کو صحیح ڈھنگ اور سنت کے مطابق کرنے کا سبق حاصل ہوتا تھا، یہی وہ طرہ امتیاز تھا جس سے آپ نہ صرف اوروں سے ممتاز تھے بلکہ بہتوں سے فائق تھے۔

❁ ایک مرتبہ آپ نے حضرت قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) کے نعت کی تعریف کی اور اس کا مطلع آخری لفظ کے تغیر کے ساتھ پڑھا۔

نبی اکرم شفیع اعظم دکھے دلوں کا پیام لے لیں
تمام دنیا کے ہم ستائے کھڑے ہوئے ہیں سلام لے لیں

جیسے ہی یہ مطلع پورا ہوا آپ پر بے خودی کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ آپ لرزاں براندام ہوگئے کپکپی کی شدت اتنی بڑھی کہ آپ کو لیٹنا پڑا۔ (۱)

❁ ایک موقع پر ایک صاحب کو جو آپ کے مہمان تھے آپ نے دودھ پیش کیا، جب وہ اسے پی چکے تو آپ نے فرمایا کہ: دودھ پینے کے بعد کلی کرنا سنت ہے، لہذا سنت کی نیت سے کلی بھی فرمالیں، پھر آپ نے ایک نکتہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی ایسا موقع ہو کہ کلی کرنا ناممکن ہو مثلاً ٹھنڈی کافی زیادہ ہو اور اٹھ کر کلی کے لئے جانا دشوار گزار

(۱) اس پر فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری علیہ الرحمہ کا واقعہ یاد آیا کہ: ایک بار آپ روضہ مبارک پر حاضر ہوئے اور جب صلاۃ وسلام کا نذرانہ پیش کرنے لگے تو آپ کا پورا بدن کانپنے لگا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ (ادب کے حیرت انگیز واقعات، ص ۲۵۱)

ہوتو اپنی نشست پر بیٹھے بیٹھے سنت کی نیت سے ایک دوگھونٹ پانی منہ میں گھما کر پی جانے سے بھی سنت ادا ہو جائی گی، اور سنت کا ترک بھی لازم نہیں آئے گا۔ (۱)

❁ اسی طرح گرم کھانے میں پھونک مار کر ٹھنڈا کرنے کو بھی آپ خلاف سنت سمجھتے اوراس سے منع فرماتے تھے۔ (۲)

---

(۱) **فائدہ**: حدیث شریف میں ہے: آپ ﷺ نے دودھ پیا اور کلی کیا اور فرمایا کہ دودھ میں چکناہٹ ہے۔(البخاری مع عمدۃ القاری: ۱۰۹/۳ رقم الحدیث: ۲۱۱)
علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: **ففیہ دلالۃ علی استحباب تنظیف الفم من اثر اللبن ونحوہ الخ (عمدۃ القاری: ۱۰۰/۳)**
اس حدیث سے دودھ یا اسی طرح کوئی چکنی چیز کھانے پینے کے بعد کلی کرنے کا استحباب ثابت ہوا۔
نوٹ: کلی سے مقصود منہ سے چکناہٹ دور کرنا ہے، لہٰذا اگر کلی کئے بغیر منہ میں پانی گھما کر پی لیا جائے تب بھی چکناہٹ دور ہو کر مقصود حاصل ہو جائے گا، اور سنت کی نیت ہوگی تو ثواب سنت بھی حاصل ہوگا، لہٰذا ماسٹر صاحبؒ کا بیان کردہ نکتہ قابل قدر وصد تحسین ہے۔ ارشد رشیدی غفرلہ

(۲) حدیث شریف میں ہے: آپ ﷺ نے برتن میں سانس لینے اور کھانے میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔(الجامع الصغیر مع شرح المناوی: ۴۴۸/۶، رقم الحدیث: ۹۵۴۲
فتاوی محمودیہ میں ہے: گرم کھانے پر پھونک مار مار کر کھانا خلاف ادب ہے، ذرا صبر کرنا چاہیے تاکہ زیادہ گرم نہ ہو اور سہولت سے کھایا جاسکے۔ (فتاوی محمودیہ: ۴۴/۲۷)
امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کھانے پر پھونک مارنا اس وقت خلاف اولیٰ ہے جب کہ پھونک کے ساتھ کچھ آواز مثلاً اف وغیرہ بھی نکلے (غالباً ان کی مراد اس سے یہ کہ اس پھونک کے ساتھ تھوک کے اجزاء بھی شامل ہوں) اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ کراہت اس وقت ہے جب کچھ لوگوں کے ہمراہ کھانا وغیرہ کھایا جائے کیوں کہ جب کسی مشترکہ برتن میں پھونکا جائے اور اسی برتن کو کوئی ہم نشین استعمال کرے تو ممکن ہے کہ اس کو اذیت پہونچے گی، ہاں اگر تنہا کھانا پینا ہو تو پھونک مارنے میں کراہت نہیں۔
حاصل کلام: بہتر وافضل تو یہی ہے کہ اشیائے خورد ونوش پر پھونک نہ مارا جائے جیسا کہ فتاوی محمودیہ سے نقل ہوا البتہ اگر کبھی چائے وغیرہ پر پھونک مارنے کی ضرورت پیش آجائے تو مذکورہ اقوال کی روشنی میں پھونک مارنے کی اجازت ہوگی۔ (مستفاد: اوجز المسالک: ۳۲۳/۱۶، ردالمحتار مع الدر: ۴۹۱/۹، فیض القدیر للمناوی: ۴۲۰/۶) ارشد رشیدی فتح پوری عفا اللہ عنہ

سبحان اللہ! کس قدر باریکیوں پر آپ کی نگاہ تھی، نیز ان واقعات سے جہاں سنتوں کا حد درجہ اہتمام ثابت ہوتا ہے وہیں ان سے آپ کی وسعت معلومات، احادیث کا اچھا علم اور اسلامیات پر گہری نظر بھی آشکارا ہوتی ہے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی عقیدت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

تواضع، کسر نفسی اور خمول پسندی

آپ پر اپنے دونوں مرشد حضرات شیخین جلیلین کا ایسا رنگ چڑھا ہوا تھا کہ گوشہ نشینی اور گمنامی آپ کی طبیعت میں رچ بس گئی تھی، شہرت ناموری سے آپ انتہائی دور و نفور تھے، آپ پر منسکر المزاجی کا غلبہ تھا، آپ کی چال ڈھال متواضعانہ اور آپ کا سراپا نیاز مندانہ تھا، آپ کا رہن سہن، رفتار و گفتار اور بود و باش انتہائی سادہ تھا، تکلف و تصنع کا آپ کے یہاں گزر نہ تھا، سچ پوچھئے تو آپ تواضع و انکساری کی عظیم مثال، مجسم گمنامی و خمول پسندی اور فنائیت و بے نفسی کے پیکر تھے۔

ایک مرتبہ خانقاہ مسیح الامت میں آپ مسجد سے نکلنے لگے، سامنے دروازے کے پاس ایک صاحب کھڑے تھے انہوں نے جب آپ کو آتا دیکھا تو انتہائی تعظیم میں آگے بڑھ کر دروازہ کھول کر کھڑے ہو گئے تاکہ آپ نکل جائیں، لیکن فنائیت کے اس پیکر کو اپنی تعظیم کہاں گوارہ تھی وہ بھی ایسی جگہ (یعنی خانقاہ مسیح الامت میں) جہاں آپ اپنے کو مٹانے گئے تھے، آپ نے یہ دیکھ کر فوراً رخ تبدیل کیا اور دوسرے دروازے سے نکل گئے۔

مولانا زکریا صاحب راوی ہیں کہ: حضرت ماسٹر صاحب علیہ الرحمہ جن دنوں تکیہ واڑ مسجد (کرلا بمبئی) میں زیادہ وقت گزارتے تھے اسی اثناء کی بات ہے کہ: آپ ایک دن بیت الخلاء جانے لگے، تو میں نے کہا کہ حضرت بیت الخلاء کچھ گندہ ہے، میں

اسے کسی سے صاف کروا دیتا ہوں پھر آپ جائیں، اس پر آپ نے فرمایا: مولوی صاحب! آپ فکر نہ کریں ہم خود ہی صاف کردیں گے، پھر آپ نے فرمایا کہ: ہم حضرت جلال آبادی علیہ الرحمہ کے یہاں بیت الخلاء خود ہی صاف کردیا کرتے تھے، لہذا سوچنے کی کیا بات ہم یہاں بھی صاف کردیں گے۔

شیخ کی اتباع وانقیاد

سیدی حضرت والا علیہ الرحمہ نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ: راہ سلوک میں شیخ پر بغیر فنا ہوئے اس کی صحیح پیروی کئے منازل طے نہیں ہوتے، نیز شیخ پر مرمٹنے اور حقیقی معنی میں اس کی اتباع وانقیاد کے لئے شیخ سے غایت محبت وعظمت کی ضرورت ہوتی ہے **كذا قال الامام الشافعيؒ**:

لو كان حبك صادقا لاطعته
لان المحب لمن يحب مطيع (۱)

ترجمہ: اگر تیری محبت سچی ہوگی تو تو ضرور اس کی اطاعت بجالائے گا کیوں کہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کا پیروکار ہوتا ہے۔

اور جس کے دل میں جس قدر شیخ سے محبت وعظمت ہوتی ہے اسے اسی قدر اپنے شیخ پر مرمٹنے کی سعادت بھی حاصل ہوتی ہے جو کہ باطنی ترقیات کے لئے خشت اول کا درجہ رکھتی ہے نیز غایت فنائیت یہ ہے کہ شیخ کے اوامر اور صریح حکم تو درکنار اس کے منشاء کا بھی پاس ولحاظ رکھتے ہوئے زندگی گزارنی چاہیے، لیکن خیال رہے کہ کسی شیخ کامل پر مرمٹنا آسان کام نہیں، کیوں کہ اسمیں اپنے وجود پر جو کاری ضرب پڑتی ہے اس کا درد کوئی معمولی درد نہیں ہوتا تاہم بتکلف مسلسل کوشش کرتے رہنے سے بفضل خدا فنائیت کی راہ ہموار ہوجاتی ہے، اور یہ بھی یاد رہے کہ کسی شیخ کامل پر صحیح معنوں میں مٹے بغیر نہ سیر وسلوک کا راستہ کھلتا ہے اور نہ ہی منازل طے ہوتے ہیں۔

(۱) ملفوظات امام شافعی، ص ۲۴، مؤلفہ مفتی محمود اشرف صاحب عثمانیؒ

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

قال را بگزار مرد حال شو
پیش مردے کاملے پامال شو

ترجمہ: قیل وقال چھوڑ دو، مرد حال ہوجاؤ اور کسی کامل کے سامنے اپنے کو پامال کردو۔ انتھی کلام سیدی علیہ الرحمہ۔ (۱)

اس مختصر سی تمہید کے بعد حضرت ماسٹر صاحب علیہ الرحمہ سے متعلق بھی فنائیت پر مشتمل چند باتیں ملاحظہ فرمائیں:

حضرت مولانا اسعد صاحب کوپاگنجوی (زید مجدہ) راوی ہیں کہ: ایک مرتبہ

---

(۱) بطور تائید حضرت تھانویؒ کے درج ذیل ملفوظات ملاحظہ فرمائیں:

(الف) آج کل لوگوں میں مشائخ سے کچھ اعتقاد تو ہے مگر انقیاد (یعنی اتباع) نہیں، اور کام کے لئے ضرورت انقیار کی ہے، اور انقیاد پیدا ہوتا ہے محبت سے، اسی لئے اس طریق میں حب شیخ بہت ضروری اور مدارِ کار ہے۔ (مجالس حکیم الامت، ص ۱۹۵، مؤلفہ مفتی شفیع صاحب عثمانیؒ)

(ب) اس طریق کا اول قدم فنا ہے جس میں یہ صفت نہ پیدا ہوئی بس سمجھ لو کہ اس کو طریق کی ہوا بھی نہیں لگی۔ (مآثر حکیم الامت، ۲۱۳، مؤلفہ ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفیؒ)

(ج) اس طریق میں مصلح کے ساتھ مناسبت ہونا بڑی (ضروری) چیز ہے۔ بدون مناسبت کے طالب کو نفع نہیں ہوسکتا، اور مناسبت شیخ (جو افادہ واستفادہ کا مدار ہے) کے معنی یہ ہیں کہ شیخ سے مرید کو اس قدر موانست (انسیت) ہوجائے کہ شیخ کے کسی قول وفعل سے مرید کے دل میں طبعی نکیر نہ پیدا ہو............یعنی شیخ کی سب باتیں مرید کو پسند ہوں الخ۔ (شریعت وطریقت ص ۶۷)

(د) دو چیزیں لازمۂ امرین ہیں: اتباع سنت اور اتباع شیخ، طالب کو اپنے شیخ کے سلسلے میں اپنی رائے بالکل فنا کردینا چاہئے، اور جب تک یہ حالت نہ ہو کہ اگر شیخ جان بھی مانگے تو اسے بھی دینے میں دریغ نہ کرے تب تک کچھ لطف بیعت کا نہ لیا۔ (ملفوظات کمالات اشرفیہ، ص ۱۹۳، ملفوظ نمبر: ۷۸۳) ارشد رشیدی فتح پوری

خانقاہ میں حضرت ماسٹر صاحبؒ کو میں نے دیکھا کہ دودھ فروش سے دودھ لئے اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھے، میں بھی پیچھے ہوا اور دروازے پر پہونچ کر سلام کیا، انہوں نے جواب دیا، میں چوں کہ ان سے بڑا متاثر تھا خیال آیا کہ ان سے کچھ بات بھی کرلوں، لہذا علیک سلیک کے بعد میں کچھ بات کرنا چاہا، لیکن حضرت ماسٹر صاحب نے یہ کہہ کر گفتگو سے انکار فرمادیا کہ: حضرت نے یہاں بے جا بات چیت سے منع فرمایا ہے، سو میں خاموش ہوکر چلا آیا، بعد میں ایک مرتبہ میں حضرت جلال آبادیؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور حضرت ماسٹر صاحب بھی تھے دریں اثناء ماسٹر صاحب نے میرے بارے میں حضرت سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ حضرت نے تعارف کرایا، پھر میں نے کہا کہ حضرت یہ مجھ سے بات چیت نہیں کرتے ہیں، اس پر حضرت نے ماسٹر صاحب سے فرمایا کہ یہ یتیم ہیں ان سے بات چیت کرلیا کریں ان سے گفتگو میرے اصول سے مستثنی رہے گی، لہذا اس کے بعد ماسٹر صاحب کبھی کبھار گفتگو فرمانے لگے۔

خانقاہ وصی الٰہی میں بھی آپ کا رنگ ڈھنگ البیلا رہا، یکسوئی، کم گوئی، کم شناسائی آپ پر غالب رہی، لوگوں سے بے جا بات چیت، ہنسی مذاق اور بے جا اختلاط سے آپ کافی دور ونفور رہے، لہذا جب کبھی بعض لوگوں کو آپ وہاں بے جا محو گفتگو یا وقت گزاری کرتے دیکھتے تو حضرت شاہ صاحبؒ کی تعلیمات اور خانقاہ کے آداب و شرائط سے متعلق انہیں سمجھاتے اور اس طرز عمل سے باز آنے کی تاکید کرتے حتی کہ ایک دو بار آپ لوگوں پر شدید برہم ہوئے اور فرمایا کہ: حضرت کے نگاہ سے ہٹتے ہی آپ لوگ حضرت کی تعلیمات بھول جاتے ہیں بس ابھی حضرت سے شکایت کرتا ہوں، یہ سن کر لوگ گھبرا گئے کہ ماسٹر صاحب کی شکایت شاہ صاحب کی شدید ناراضگی کا سبب بن سکتی ہے لہذا لوگ باز آ گئے پھر آپ نے شکایت بھی نہ کی۔

غرضیکہ حضرات شیخین کی عظمت واتباع کا آپ پر اس قدر غلبہ تھا کہ آپ خود تو

اس میں طاق تھے ہی اس پر مستزاد آپ کو حضرات شیخین کی تعلیمات کی خلاف ورزی دیکھی بھی نہیں جاتی تھی۔ع

وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

زہد وتوکل

آپ منقطع عن الخلق اور زاہد فی الدنیا تھے، مولیٰ کی یاد، اس سے لولگانا آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا، ہر حال میں آپ کی نگاہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی جمی رہتی تھی، آپ کا سارا خوف ورجا صرف اسی کی ذات سے وابستہ تھا جو کہ حاصل توکل ہے، لوگوں پر نظران سے امید یا اسباب دنیوی پر اعتماد جو کہ منافی توکل ہے آپ کے یہاں اس کا کوئی عنصر نہ تھا۔ خودداری، استغناء اور بے نیازی کا آپ پر ایسا غلبہ تھا کہ گویا وہ آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہو، ایشور شرن انٹر کالج الہ آباد سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد آپ کو پنشن ملتی تھی آپ آخر تک اسی پر قانع اور شاکر رہے۔

آپ کے پنشن یافتہ ہونے کے بعد آپ کے متعلقین نے بہت کوشش کی کہ آپ کے لیے ماہانہ کچھ رقم باندھ دی جائے لیکن آپ اپنے زہد واستغناء کی وجہ سے تیار نہ ہوئے اور قطعاً یہ بات آپ کے مزاج کے موافق بھی نہ تھی، البتہ خانقاہ جلال آباد کے ایک مدرس (جو کسی کے مجاز بھی تھے) نے جب بہت اصرار کیا اور بڑی لجاجت ظاہر کی تو آپ نے ان کی دلجوئی کی، اس قید کے ساتھ اجازت مرحمت فرمائی کہ "اگر آپ کو کچھ دینا ہی ہے تو صرف چالیس روپے ہی دے سکتے ہیں وہ بھی تین چار مہینوں پر۔"

غرضیکہ آپ کو اگر اس حدیث شریف "**اذا رایتم العبد یعطی زهدا فی الدنیا وقلة منطق فاقتربوا منه فانه یلقی الحکمة**"[1] کا مصداق قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

(۱) **ترجمہ**: جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو دنیا سے بے رغبت اور کم گو ہے (یعنی فضول ولایعنی باتوں سے بچتا ہے) تو اس کی صحبت اختیار کرو کیوں کہ وہ حکمت و دانائی سے نوازا گیا ہے۔
(مشکاۃ مع المرقات:۹/۴۱۷، رقم الحدیث:۲۵۳۰) ا ر ف

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

منکرات پر نکیر میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، منکرات دیکھ کر آپ کو رہا نہ جاتا تھا، جب بھی کسی منکر پر آپ کی نظر پڑتی تو نہی عن المنکر کے شرائط کے پیش نظر آپ برجستہ بلا لیت ولعل تنبیہ فرماتے، کبھی پس وپیش یا تذبذب میں مبتلا نہ ہوتے گویا آپ ''لا یخافون لومۃ لائم'' کی عملی تفسیر تھے۔ ذیل میں ردمنکرات کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ایک مرتبہ آپ کے حاضر باش لوگوں میں سے ایک صاحب باراتیوں کے ہمراہ بارات میں چلے گئے، جب آپ کو علم ہوا تو آپ ان پر شدید برہم ہوئے اور فرمایا کہ بارات لے جانے والے شرعاً چور بن کر جاتے ہیں اور غاصب بن کر لوٹتے ہیں[(۱)] نیز فرمایا کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں بارات لے جانے والے ہر شخص کو سخت ترین سزا دیتا۔

(۲) گاؤں ہی کا واقعہ ہے کہ: ایک صاحب کو آپ نے دیکھا کہ وہ لنگی میں ہیں اور اسے گھٹنے تک اٹھائے ہوئے ہیں، آپ نے ان سے گفتہ آید بر حدیث دیگراں

(۱) واضح رہے کہ: حدیث شریف میں بن بلائے دعوت میں جانے والوں کو چور اور غاصب کہا گیا ہے۔ (ابوداؤد مع البذل، رقم الحدیث: ۳۷۴۱)
کیوں کہ ظاہر ہے کہ داعی کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے کسی کا دعوت میں چلے جانا داعی کے ساتھ زیادتی کے مترادف اور اس کی صریح حق تلفی ہے، اسی طرح بڑی بڑی بارات لے کر جانے والے بھی لڑکی والوں پر بارگراں ہوتے ہیں جس کی وجہ سے لڑکی والوں کا انھیں خوش دلی وطیب نفس سے کھلانا ممکن نہیں ہوتا، اور طیب نفس کے بغیر کسی کے یہاں کچھ کھانا پینا از روئے شرع ناجائز ہے، بریں بنا ایسے باراتیوں کا شمار بھی شرعاً حق تلفی کرنے والوں میں ہی ہوگا، لہذا اسی اشتراک علت یعنی دونوں صورتوں میں حق تلفی کی وجہ سے حضرت نے باراتیوں کے لئے بھی مذکورہ تعبیر اختیار فرمایا۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب (ارشد رشیدی فتح پوری)

پر عمل کرتے ہوئے فرمایا کہ، ہمارے یہاں کل کچھ مزدور پائجامہ پہن کر آئے تھے، وہ صاحب آپ کا منشا نہیں سمجھے اور کہنے لگے کہ حضرت! مزدوروں کو کچھ سوجھ بوجھ نہیں ہوتی ہے اسی لئے پہن لئے ہوں گے، پھر آپ نے فرمایا کہ بھئی، وہ پائجامہ پہن کر اپنے ستر کا تحفظ کئے ہوئے ہیں اور لوگ لنگی پہننے میں ستر کا خیال ہی نہیں رکھتے ہیں، اس پر انھوں نے کہا کہ ہمیں تو پائجامہ کی عادت بھی نہیں اور نہ ہی وہ ہمیں موافق آتا ہے، اس پر آپ نے غضبناک ہوکر فرمایا کہ: ستر کا خیال رکھنا شرعا ضروری ہے اگر لنگی سے ہوتو فبہا ورنہ پائجامہ کا استعمال ضروری ہے، اور رہا عادت نہ ہونا تو یہ کوئی عذر نہیں ہر حال میں عادت ڈالنی پڑے گی۔

آئین جواں مرداں حق گوئی وبے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

(۳) ایک مرتبہ گاؤں میں ایک مداری (کرتب دکھانے والا) آیا اور آپ کی رہائش گاہ کے قریب پڑاؤ ڈالا، جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ ناراض ہوئے کہ یہ سب لوگوں کے لئے غفلت ومعصیت کا سامان ہے، لہذا آپ بنفس نفیس وہاں پہونچے اور اسے منع کیا، اور وہاں سے جانے کے لئے فرمایا، حتی کہ اسے وہاں سے ہٹا کر دم لیا۔

(۴) ایک مرتبہ حاضرین میں سے کسی نے ایک نعت خواں کے انداز اور اس کے لب ولہجہ کی کچھ تعریف کی، اس پر آپ نے فرمایا کہ: لب ولہجہ سے قطع نظر آج کل لوگ جو نعت کو مزامیر وغناء کے انداز میں پڑھنے لگے ہیں وہ شرعا ناجائز ہے، لہذا وہ کیوں کر قابل تعریف ہوسکتا ہے۔

(۵) ایک مرتبہ گاؤں کے قریب کسی مندر میں صبح اذان کے وقت بھجن ہونے لگا، آپ کو جب اس کا احساس ہوا تو آپ کو رہا نہ گیا آپ خود مندر کے انتظامیہ سے ملے اور ان سے صبح کے وقت بھجن بند کرنے کے لئے کہا، لوگوں نے آپ کی بات مانی

اوراس سلسلے کو بند کردیا۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش
چہ فولاد ہندی نہی برسرش
امید وہراسش نباشد زکس
ہمیں است بنیاد توحید وبس

ترجمہ: موحد کے قدموں پر(اسے لالچ دلانے کے لیے)اگرتو سونا نچھاور کردے یا اس کے سر پر تو (اسے ڈرانے کے لیے) تلوار رکھ دے تب بھی اسے کسی سے لالچ ہوگی نہ ہی خوف اور یہی توحید کی بنیاد ہے۔

غیروں کے دلوں میں آپ کا احترام اور رعب

حدیث میں آتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر تقوی والی زندگی گزارتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر چیز میں اس کی ہیبت ڈال دیتے ہیں (۱)۔اور ایک روایت میں ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اس سے ہر چیز ڈرنے لگتی ہے (۲)۔

بفحوائے حدیث حضرت ماسٹر صاحب علیہ الرحمہ سے گاؤں اور اطراف کے غیر

(۱) قال العلامة الزبيديؒ رواه الحكيم بلفظ من اتقى الله اخاف الله منه كل شيء .... رواه عبد الرحمن الكرخي في اماليه والرافعي في تاريخه من حديث ابن عمر .(اتحاف السادة المتقين للزبيدى:۲۱۱/۹)

(۲) قال العلامة زين العراقى رواه ابو الشيخ فى كتاب الثواب من حديث ابى امامة بسند ضعيف جدا ورواه ابن ابى الدنيا فى كتاب الخائفين باسناد ضعيف معضل. (احياء العلوم مع تخريج زين الدين العراقى ۱۵۳)

فائدہ: مذکورہ حدیث کے ذیل میں حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں: اس امر کا صوفیہ میں مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ ان سے سب لوگ ڈرتے ہیں حتی کہ امراء وسلاطین بھی بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی خوف کا سامان ہو۔(التشرف بمعرفة احاديث التصوف، ص۲۱٦)ارف

مسلم بہت ڈرتے تھے، جب کبھی ان کے پاس سے آپ کا گزر ہوتا تو وہ احترام میں اٹھ کر کھڑے ہو جاتے تھے، یہی وجہ تھی کہ گاؤں کے قریب مندر میں صبح کے وقت جب بھجن کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ یک وتنہا مندر والوں سے ملے اور بھجن کو صبح کے وقت بند کرنے کے لئے کہا تو انھوں نے سر تسلیم خم کیا اور اس سلسلے کو ختم کر دیا، اور ان لوگوں پر آپ کے رعب وجلال کا یہ عالم تھا کہ ایک اَہِر نے ایک صاحب سے کہا کہ: ماسٹر صاحب بڑے رعب والے آدمی ہیں اگر وہ ہری گھاس کو گھور کر دیکھ لیں تو اس میں بھی آگ لگ جائے۔

طب وحکمت

علوم دینیہ کے ساتھ آپ کو علم الابدان سے بھی مناسبت تھی، باطنی امراض کے علاج ومعالجہ کے ساتھ آپ کو جسمانی امراض کے طریق علاج سے بھی واقفیت تھی گویا آپ قوم وملت کے لئے روحانی معالج ہونے کے ساتھ جسمانی مسیحا بھی تھے، خاص طور پہ ہومیو پیتھک میں آپ کو اچھا درک تھا، ہومیو پیتھک کتابوں کا خاصہ مطالعہ تھا اس پیتھی سے خاصی مناسبت کی وجہ سے اس کی باریکی اور نشیب وفراز پر کافی گہری نظر تھی، آپ کی تجویز کردہ دوائیں بہت مؤثر ہوتی تھیں، راقم نے ایک مرتبہ آپ کے شنیدہ تجربات میں سے ایک عزیز کو برائے پرانی کھانسی ایک دوا بتائی جو کہ انتہائی زود اثر ثابت ہوئی۔

ہومیو پیتھک کے حوالے سے آپ کے جو فنی فوائد اور ذاتی تجربات سامنے آئے اس سے آپ کی مناسبت ومہارتِ فن کا انداز ہوتا ہے۔

کشف وکرامت

واضح رہے کہ کرامت کی دو قسم ہے: معنوی اور حسی۔

معنوی کرامت یہ ہے کہ شریعت پر مستقیم رہنا، مکارم اخلاق کا خوگر ہو جانا،

نیک کاموں کا پابندی و بے تکلفی سے صادر ہونا، حسد، کینہ، عجب، کبر اور دیگر صفات مذمومہ سے قلب کا پاک ہوجانا اور کوئی وقت غفلت میں نہ گزرنا وغیرہ، نیز اس حقیقی کرامت کی اہمیت وضرورت اور اس کا مقام ہر صاحب بصیرت پر عیاں ہے (۱)۔

اور حسی کرامت کہتے ہیں کسی چیز کا خلاف عادت پیش آنا جیسے ہوا میں اڑنا، پانی پر چلنا، مافی الضمیر پر مطلع ہوجانا وغیرہ اسے خرق عادت کہا جاتا ہے، گرچہ یہ فی نفسہ نہ مقصود ہے نہ ہی اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے اسی لئے بزرگان دین کا خاص مقولہ ہے کہ کسی خرق عادت یعنی کرامت سے ایک بار سبحان اللہ کہنے کا درجہ بڑھا ہوا ہے کیوں کہ حسی کرامات فی نفسہا باعث قرب نہیں اور ایک بار بھی سبحان اللہ کہنا تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے، البتہ اگر کسی متبع شریعت سے اس کا ظہور ہو تو اسے علامت قرب ضرور کہا جاسکتا ہے (۲)۔ اور عوام الناس نے جو خرق عادت یعنی حسی کرامت کو ہی ولایت و کمالات کا معیار سمجھ لیا ہے وہ نادرست اور قابل اصلاح ہے۔

حضرت ماسٹر صاحب علیہ الرحمہ کے ذکر کردہ خصوصیات اور کمالات وصفات سے قارئین کرام کو آپ کی معنوی اور حقیقی کرامت کا اندازہ بخوبی ہو چکا ہوگا، لہذا کرامت کی حقیقت وحیثیت واضح ہوجانے کے بعد مجھے خیال آیا کہ عوام کے منشاء کے مطابق حضرت ماسٹر صاحب علیہ الرحمہ کی صفات و کمالات کے ضمن میں چند واقعاتِ کشف بھی بیان کرتا چلوں جو کہ ماسٹر صاحب جیسی عظیم المرتبت متبع شریعت شخصیت کے لئے واقعی تقرب الی اللہ کی علامات ہیں۔

ذیل میں ماسٹر صاحب کے چند کشفی واقعات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حمید پور کا واقعہ ہے کہ: ایک صاحب اپنے گھر سے آپ کی مجلس میں شرکت کے لئے نکلے، راستے میں کسی پڑی ہوئی چیز پر ان کی نظر پڑی اسے اٹھا

---

(۱) مستفاد شریعت وطریقت افادات حکیم الامت ۳۲۵ تا ۳۲۸

(۲) مجالس حکیم الامت، ص ۲۱۱

کر جیب میں رکھ لیا اور آپ کے دولت کدہ پر پہونچے، آپ نے دوران مجلس بے شان وگمان فرمایا کہ: لوگ میرے یہاں دین سیکھنے آتے ہیں، لیکن پڑی ہوئی چیزوں کے بارے میں احتیاط نہیں کرتے۔ **سبحان اللّٰہ!**

(۲) شمشاد خان صاحب راوی ہیں کہ: متعدد بار ایسا ہوا کہ میں کوئی سوال لے کر حضرت کے یہاں پہونچا اور حضرت سے دریافت کرنا چاہتا تھا، لیکن حضرت نے خود ہی مجلس کے دوران بے ساختہ اس مسئلہ کو چھیڑ دیا اور باحسن وجوہ بیان فرما کر مطمئن کر دیا۔

(۳) ایک مرتبہ اعظم گڑھ جامع مسجد کے امام صاحب اور ایک ڈاکٹر صاحب (غالبا ڈاکٹر آفتاب صاحب) کو کچھ سوالات درپیش ہوئے، وہ حضرات آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ محو گفتگو تھے، یہ دونوں حضرات بھی ایک گوشہ میں بیٹھ گئے، لیکن ان حضرات کی اس وقت حیرت کی انتہا نہ رہی جب آپ نے ازخود دوران مجلس ان کے ان سوالات کا ایک ایک کر کے جواب دے دیا جو انھیں قابل دریافت تھے، لہذا وہ حضرات آپ کی طرف سے حیرت انگیز طور پہ تشفی بخش جوابات پا کر بے حد متاثر ہوئے اور مجسم حیرت بن کر رخصت ہوئے۔

نوٹ: آپ کے حاضر باش حضرات میں سے کسی نے آپ کے محیر العقول اور حیرت انگیز طور پہ دیئے جانے والے جوابات کے حوالے سے ایک بار دریافت کیا کہ بسا اوقات ہمارے سوالات سے پہلے آپ خود ہی سارا جواب دے دیتے ہیں یہ کیسے اور کیوں کر ہوتا ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ: ''یہ سب منجانب اللہ ہوتا ہے''۔ **سبحان اللّٰہ!**

مذکورہ بالا واقعات کی روشنی میں اگر آپ کو ''**اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله**'' (الحدیث)[1] کا عملی نمونہ قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

(۱) ترجمہ: مومن (کامل) کی فراست (الہامی دانائی) سے ڈور کیوں کہ وہ اللہ کے نور سے =

گرانقدر ملفوظات، ارشادات اور مکتوبات

(۱) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ: جنت میں جانے کا آسان نسخہ کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: گناہوں کو چھوڑ دینا۔

(۲) ایک سلسلہ گفتگو میں آپ نے فرمایا کہ: نگاہ نیچے رکھ کر چلنے میں بدنظری سے تحفظ ہے پھر بطور تحدیث بالنعمت فرمایا کہ الحمدللہ مجھے نگاہ نیچے رکھنے کی اس طرح عادت ہوگئی ہے کہ دائیں بائیں سے کون گزر رہا ہے مجھے اس کی خبر بھی نہیں ہوتی ہے۔

(۳) ہر جگہ اور ہر حال میں (خواہ خلوت ہو یا جلوت) گناہوں سے بچنے کا نام تقویٰ و پرہیز گاری ہے۔

(۴) آپ اپنے مسترشدین کو یومیہ ایک پارہ تلاوت کی تلقین فرماتے اور فجر کے بعد سورہ یٰس، ظہر بعد سورہ فتح، عصر بعد سورہ نبا، مغرب بعد سورہ واقعہ اور عشاء بعد سورہ ملک کی بھی تلقین فرماتے تھے۔

(۵) صبح و شام سات سات مرتبہ معوذتین پڑھ کر دم کرنے کی آپ تلقین فرماتے تھے نیز فرماتے تھے کہ اس میں ہر چیز سے تحفظ ہے اور یہ بہترین حصار ہے۔

(۶) مسلمانوں میں باہمی اتحاد اس درجہ مطلوب ہے کہ اگر مغرب میں بسنے والے کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہونچے تو مشرق میں رہنے والے مسلمان کو اس کا درد محسوس ہونا چاہئے۔

= دیکھتا ہے۔(سنن الترمذی مع الکوکب الدری: ۲۴۱/۷، رقم الحدیث: ۳۱۲۶، تحفۃ الالمعی: ۳۰۹/۷)

فائدہ: نور اللہ سے مراد وہ قلبی صفائی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نور سے حاصل ہوتی ہے یعنی جب بندہ ذکر اللہ کی پابندی اور تقویٰ کا اہتمام کرتا ہے تو اس کا قلب دنیا کی آلودگی سے صاف ہو کر نورانی ہو جاتا ہے پھر اکثر وجدانی طور پر اسے حقائقِ واقعات نظر آنے لگتے ہیں اس کو فراست کہتے ہیں گویا وہ کشف کا ایک شعبہ ہے۔(التکشف عن مہمات التصوف، ص ۴۷۸) ارشد رشیدی فتح پوری

(۷) ایک طالب علم کو آپ نے زیادہ نفل کا اہتمام کرتے دیکھا تو فرمایا کہ: ابھی نصابی کتاب پر توجہ کا وقت ہے فرائض و واجبات اور سنت موکدہ کے بعد اپنی ساری توجہ کا مرکز نصابی کتابوں کو بناؤ ورنہ حرج ہوگا اور صلاحیت و استعداد کمزور رہ جائے گی۔

مکتوب گرامی

ایک صاحب اپنی کسی خاص غرض کے تحت خواجہ اجمیری علیہ الرحمہ کے مزار پہ جانا چاہتے تھے کہ وہاں جا کر ہوسکتا ہے کہ میری مراد پوری ہوجائے، تو اس پر آپ نے انہیں تنبیہ کرتے ہوئے درج ذیل مکتوب روانہ کیا۔

بعد سلام مسنون عرض یہ کرنا تھا کہ: صاحب قبر سے کچھ مانگنا اور سوال کرنا نہ صرف حرام ہے بلکہ موہم شرک ہے، لہذا آپ کا اپنی مراد مانگنے کی غرض سے وہاں جانا ناجائز اور حرام ہے، اور رہا یہ سوال کہ فلاں شخص کا کام مزار پہ جانے سے ہوگیا؟ سو اس کا جواب درج ذیل واقعہ کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں:

ایک صاحب ایک بزرگ کے مرید تھے، کافی اہتمام سے ان کے یہاں آتے جاتے تھے، مرید صاحب اولاد نہیں تھے اور اپنے شیخ سے اولاد کے لئے مسلسل دعا بھی کراتے رہتے تھے، ایک مرتبہ اچانک ان کے دل میں کسی مشہور بزرگ کی مزار پر جانے کا داعیہ پیدا ہوا تو انہوں نے اپنے شیخ سے اس کا ذکر کیا، شیخ کہنہ مشق اور واقعی تجربہ کار تھے انہوں نے کہا کہ، ابھی کچھ دن اور انتظار کرو، پھر چند دنوں کے اندر ان صاحب کی بیوی کو حمل ٹھہر گیا، انہوں نے شیخ صاحب سے اس کا ذکر کیا، شیخ صاحب نے فرمایا کہ: جب تم نے مزار پر جانے کا قصد کیا تبھی سے مجھے اس خوشخبری کی امید ہوگئی تھی کیوں کہ جب کسی کام کے ہونے کا منجانب اللہ فیصلہ ہوتا ہے تو شیطان بعض اوقات اس کے آثار محسوس کر کے لوگوں کو مزارات وغیرہ کی طرف ہانکنے لگتا ہے تا کہ

عقیدہ فاسد ہو جائے، کیوں کہ جو کام منجانب اللہ ہونا طے پایا ہے وہ تو ہو کر رہے گا البتہ مزارات پر لوگوں کو پہونچا کر صاحب قبر کے تئیں مشکل کشا حاجت روا جیسا فاسد عقیدہ دلوں میں راسخ کروادیتا ہے، **العیاذ باللہ**، اسی لئے میں نے آپ کو مزار پہ جانے سے منع کر دیا تھا ورنہ آپ بھی اگر گئے ہوتے تو ظاہر ہے کہ عقیدہ میں تزلزل ضرور آجاتا۔

لہذا اس واقعہ کو سامنے رکھئے اور شیطانی مکائید کو سمجھئے اور اپنے عقائد کے درستگی کی فکر کیجئے۔ **واللہ الموفق**

عیسیٰ غفرلہ

نوٹ: افسوس کہ حضرت ماسٹر صاحب کا ایک ہی مکتوب مل سکا، اگر آپ کے کچھ مزید علمی و اصلاحی مکتوبات ہاتھ لگے ہوتے تو یقیناً مکتوباتِ اکابر کے سلسلہ میں ایک سنہری اور قابل قدر کڑی کا اضافہ ہوا ہوتا۔

قیاس کن زگلستاں من بہار مرا

مقبولیت و مرجعیت

حدیث میں ہے کہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس سے محبت کے لئے کہتا ہے، پھر آسمان میں منادی لگادی جاتی ہے کہ فلاں سے محبت کی جائے، پھر اہل زمین پر اس کی مقبولیت کی باتیں گشت کرنے لگتی ہیں [1]، جس کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے قلوب اس کی طرف کھینچے لگتے ہیں،

(۱) البخاری مع تعلیقات تقی الدین الندوی: ۷۳/۳، رقم الحدیث: ۳۲۰۹

فائدہ: یہاں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے نیک بندے ایسے بھی ہوئے ہیں جن کی بزرگی، تقویٰ اور باطنی کمالات باوجود مسلم ہونے کے انہیں عام مقبولیت حاصل نہ رہی، نہ ان کی طرف عوام کا رجحان و میلان رہا۔ =

اور لوگ اس سے محبت کرتے ہوئے اسے اپنا خیر خواہ راہنما اور مسیحا سمجھتے ہیں۔

جب سن ۱۹۹۲ء میں حضرت مسیح الامت علیہ الرحمہ کی وفات ہوئی تو حضرت کے متعلقین کافی تعداد میں حضرت ماسٹر صاحب علیہ الرحمہ کی طرف متوجہ ہوئے اور لوگوں کی آمد کا ایک تانتا بندھ گیا جسے دیکھو وہ ماسٹر صاحب کے یہاں کشاں کشاں چلا آرہا ہے۔لیکن آپ اپنے اخفاء حال اور دیگر چند وجوہ کی بنا پر لوگوں کو بیعت کرنے کے لیے راضی نہ ہوئے،سوائے چند ایک حضرات کے سب کو آپ نے حضرت کے دیگر خلفاء کے یہاں بھیج دیا۔

الغرض! سچ پوچھئے تو آپ اپنے دونوں مرشد حضرت شاہ صاحب اور مسیح الامت علیہما الرحمہ کے طرز زندگی پر قائم ان کی تعلیمات پر کاربند، ان کی روایتوں کے امین اور ان کے بہترین عملی نمونہ تھے۔

خدا یاد آئے جنہیں دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظل رحمانی

= سو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کو قبول یا رد کرنے میں اہل بصیرت وخواص کا اعتبار ہے عوام کا نہیں، کیوں کہ عوام کے یہاں کوئی پیمانہ ومعیار نہیں ہوتا،اور جب اعتبار خواص کی محبت اور رجحان کا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ انہیں کسی درجہ میں ضرور حاصل رہتا ہے۔(مستفاد:مرقاۃ المفاتیح: ۲۰۹/۹)

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: جن لوگوں کی طبیعت میں خبث وفساد غالب ہے ان کا ادراک بھی معتبر نہی۔(التکشف عن مہمات التصوف، ص۴۵۷)

لہذا اس سے معلوم ہوا کہ عوام کا معیار نا قابل اعتبار ہے۔(مرتب)

خیر المفاتیح میں ہے: یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ زمین میں اس مبغوضیت اور مقبولیت کا معیار وہ لوگ ہیں جو دیندار اور متقی پرہیزگار ہیں،ورنہ فساق وفجار کے نزدیک تو وہی آدمی اچھا اور دوست ومحبوب ہوتا ہے جو انتہائی درجہ کا فاسق وفاجر اور ذلیل وکمینہ ہوتا ہے،لہذا قبولیت کے اس انتخاب میں دارومدار اچھے اور دیندار لوگوں پر ہے کہ ان کی رائے اور ان کا میلان معیار اور معتبر ہے۔(خیر المفاتیح:۳۸۵/۵)ارشد رشیدی فتح پوری عفا اللہ عنہ

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
یہی ہیں جن کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انہی کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہی کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی

اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه وأكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس وابدله دارا خيرا من داره وأهلا خيرا من أهله و زوجا خيرا من زوجه و ادخله الجنة واعذه من عذاب القبرو عذاب النار. آمين



استدعا

اللہ تعالیٰ ہمیں ان بزرگوں سے تعلق ومحبت کو بارآ ورفرما کر دنیا میں نیک بننے اورآخرت میں بخشش کا ذریعہ بنائے۔آمین

احب الصالحین ولست منهم
لعل الله یرزقنی صلاحا

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بنیکاں ببخشد کریم

بقلم: ارشد رشیدی ابن عطاء اللہ خان عفا اللہ عنہ
مقیم حال کرلا ممبئی
۲۸رشعبان ۱۴۴۳ھ موافق یکم اپریل ۲۰۲۲ء